صدارتی انعام یافتہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بطور ماہر نفسیات

سیدہ سعدیہ غزنوی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بطور ماہر نفسیات

سیدہ سعدیہ غزنوی

اشاعت اوّل ——— ستمبر ۱۹۸۹ء
اشاعت پنجم ——— اگست ۱۹۹۵ء

محمد فیصل نے
زاہد بشیر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی

قیمت : ۱۱۰/- روپے

فہرست

دیباچہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہر پہلو خیر و برکت کی حامل ہیں۔ اُسوۂ حسنہ میں جو رہنمائی موجود ہے وہ انسانوں کو ان کے جملہ امراض اور تمام روگوں سے نجات دلانے کا ایک نہایت موثر ذریعہ ہیں۔ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو خوشگوار اور پر مسرت بنانے میں آپ کی سیرت بہترین نمونہ ہے۔ جسم اور روح کی شفا بخشی کے لیے کامیاب طریقہ علاج ہے۔ جسم کی صحت و توانائی، روح کی بالیدگی اور پاکیزگی، ذہن کی طہارت و لطافت، ارادوں اور نیتوں کی اصلاح اور کردار کی عظمت و بلندی اسوۂ رسول کے لازمی ثمرات ہیں۔

آپ کے ارشادات پر عمل پیرا ہونے میں جسمانی اور روحانی فوائد کے علاوہ نفسیاتی شفا بخشی کی تاثیر موجود ہے۔

ماہرین نفسیات نے جو بھی نفسیاتی علاج کے طریقے اختیار کیے ہیں وہ تمام کے تمام بلکہ اس سے کہیں زیادہ رہنمائی فرمودات نبی میں موجود ہیں۔ اگر ماہرین نفسیات سیرت النبی کا مطالعہ کریں تو ان کو نفسیاتی علاج کے لیے وافر روشنی حاصل ہو سکتی ہے۔

چند احادیث مبارکہ سے اس کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں یہ جملہ مشہور ہے۔

"کلکم من آدم وآدم من تراب فلیس للعربی علی العجمی فضل ولا لعجمی علی العربی ولا لاسود علی الابیض ولا لابیض علی الاسود فضل الا بالتقویٰ"

یعنی کوئی شخص احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو کہ وہ کسی دوسرے سے کمتر ہے۔ رنگ و نسل کی وجہ سے کسی دوسرے پر تمیز نہیں رکھتا۔ صرف برتری کا معیار کردار و تقویٰ ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا۔

"اَلْھَمُّ نصف الھرم"

یعنی غمگین رہنے سے جلد بڑھاپا آتا ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا۔

"والرغبۃ فی الدنیا تکثر الھم والحزن والبطالۃ تقسی القلوب"

دنیا کی ہوس غم و رنج میں مبتلا رکھتی ہے۔ اور خودسری دل کو ٹیڑھا کر دیتی ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ۔

"الید العلیا خیر من ید السفلی"

یعنی اپنا ہاتھ اونچا رکھنا نیچا رکھنے سے بہتر ہے۔

یعنی سائلانہ صورت بنانے سے اور ہاتھ نیچا رکھنے سے پست خیالی پیدا ہوتی ہے اور ہاتھ اونچا رکھنے سے حوصلہ بلند ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا۔

"اذا غضب احدکم فھو قائم فلیجلس فان ذھب عنہ الغضب فبھا الا فاضطجع"

یعنی غصہ آئے تو بیٹھ جائے۔ اگر غصہ زیادہ آئے تو لیٹ جائے۔

اس حدیث پاک میں غصے کا نفسیاتی علاج بتایا گیا ہے۔ اس طرح کی متعدد احادیث موجود ہیں۔ جن سے نفسیاتی علاج کی کافی رہنمائی ملتی ہے۔

محترمہ سیدہ سعدیہ غزنوی صاحبہ نے اپنی اس کتاب "نبی صلی اللہ علیہ وسلم بطور ماہر نفسیات" کو لکھ کر سیرت النبیؐ کے ہمہ گیر ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے اور ماہرین نفسیات کو توجہ دلائی ہے کہ وہ احادیث مبارکہ کا بغور مطالعہ کریں تو ان کو نفسیاتی طریقۂ علاج کے

سلسلہ میں وافر روشنی حاصل ہو سکتی ہے۔ محترمہ سیدہ سعدیہ غزنوی کی یہ کوشش و کاوش قابلِ تحسین و لائقِ ستائش ہے۔

مولا تعالیٰ ان کو اس گرانقدر خدمت پر دین و دنیا کی سعادت اور اجرِ جزیل عطا فرمائے اور دربارِ رسالت میں شرفِ قبولیت سے نوازے۔

مفتی محمد حسین نعیمی
دارالعلوم جامعہ نعیمیہ
لاہور

پیش لفظ

تخلیقی لحاظ سے انسان قدرت کا ایک مکمل شاہکار ہے۔ اس میں سوچنے، سمجھنے، فیصلہ کرنے اور اپنے گرد و پیش سے تاثر حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ وہ اگر اچھے ماحول میں رہے اچھی راہبری پائے تو وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر وہ غلط تربیت پائے۔ اسے اچھی سرپرستی میسر نہ ہو، محبت نہ ملے۔ زندگی کی دوڑ میں بے سہارا چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنے ناپختہ ذہن سے درست فیصلے نہیں کرتا بلکہ آوارگی اور جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔

مغربی ممالک میں کم عمر مجرموں کے حالات زندگی کی تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ ان میں سے اکثر وہ تھے جن کے والدین نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔ تھائی لینڈ میں ۳۰۰۰۰ بے سہارا بچے گلیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ ان کا کوئی گھر نہیں۔ ان کو آداب معاشرت سکھانے والے ان کو چھوڑ گئے ہیں اور اب وہ چوروں اور منشیات فروشی کے سہارے زندہ ہیں۔

ہمارے آس پاس کے یہ مسائل اتنے گھمبیر ہیں کہ ان سے آنکھیں بند کر کے بیٹھ رہنا ممکن نہیں۔ بلکہ ان مسائل کے سلسلہ میں خاموشی اختیار کرنے والے بھی جرائم اور گناہ کی بالواسطہ مدد کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے معاشی مسائل میں ایسا پھنس گیا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے اپنا وقت قربان کرنے کو تیار نہیں۔ مغربی معاشرے نے شخصی آزادی کا ایک عجیب مفہوم عطا کیا ہے کہ ہم دوسروں کے معاملات میں دلچسپی نہ لیں۔ کیونکہ کسی کے ذاتی مسائل میں دخل دینا تہذیب کے خلاف ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کشمیریوں پر ظلم کی بات کرنے سے بھارت کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی ہوتی ہے۔ اور بھارت اسے سننے کو تیار نہیں۔

حال ہی میں ایک ڈکیتی کے مجرم جب گرفتار ہوئے تو وہ چاروں اچھے گھروں اور اچھے

خاندانوں کے زیرِ تعلیم نوجوان تھے۔ ان کو ڈکیتی پہ آمادہ کرنے میں غربت یا محرومی کو کوئی دخل نہ تھا۔ ان کے سرپرست موجود تھے۔ اور پڑھے لکھے تھے۔ وہ اونچے گھروں میں زندگی کی جملہ سہولتوں کے ساتھ رہنے کے باوجود جرائم کی دنیا میں آگئے۔ ممکن ہے کہ ان کے والدین اپنی مصروفیتوں میں اتنے منہمک رہے ہوں کہ بچوں کو سکھلانے اور کردار بنانے کا فریضہ ملازموں کی تحویل میں رہا ہو۔

اس واقعہ کے اسباب میں جائیں تو آئندہ کے لیے بہت سی مفید باتیں معلوم ہو سکتی ہیں لیکن ہر بچے کی غلطی کے اسباب کا پتہ چلانا اس لیے ممکن نہیں کہ اتنے تربیت یافتہ ماہرین نفسیات کہاں سے آئیں کہ وہ ہر خطا کار کے باعث جرم کا پتہ چلانے میں لگ سکیں؟

والدین خود بھی پریشان ہیں کہ ان کے بچے ان کی مرضی کے مطابق نہیں چلتے۔ ان کے امتحانوں کے نتائج وہ نہیں جن کی ان کو توقع ہوتی ہے بلکہ اب اکثر والدین اس امر پر مجبور ہو گئے ہیں کہ وہ امتحان کے نتیجہ کو اپنے اثر و رسوخ اور مالی وسائل کے مطابق ترتیب دلائیں ٹیوشن سے ذہنی نشو و نما پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ مگر یہ مجبوری بن گئی ہے۔

یہ مسائل کسی اچھے اور قابلِ اعتماد حل کا تقاضا کرتے ہیں۔ جدید نفسیات مسائل کو بیان تو کرتی ہے لیکن ایسا حل مہیا نہیں کرتی جس پر ہر شخص عمل کر سکے یا بگڑے بچے کو سنوار نے یا ہیروئن کے مارے ہوئے کسی شخص کو عملی زندگی میں آسانی سے واپس لا سکے۔ انہوں نے انسان کو جانور بنا کر پیش کر دیا اور اس کے ذہن اور کردار کو الجھایا ہی نہیں بلکہ اس کی شخصی انا کو مجروح کر دیا۔ انسان کی سوچ، خیالات اور ان کے ردِ عمل کا اظہار ایک میکانکی عمل نہیں بلکہ اس پر اثر انداز ہونے والی کئی چیزیں اور بھی ہیں جن میں سب سے بڑا ماخذ روحانیت کا ہے۔ خدا کا وجود برحق ہے۔ اس نے انسانوں کی سہولت کے لیے ایک نظامِ کائنات مرتب کیا ہے جس سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ سکھانے کے لیے اس نے ہادی بھیجے۔ انہوں نے زندگی کے عملی پہلو سے صرف روشناس ہی نہیں کر دیا بلکہ اپنے کردار کو نمونہ کے طور پر ہمارے سامنے رکھ کر یہ بتایا کہ۔

ذہنی اور جسمانی طور پر تندرست زندگی گزارنے کا صحیح اسلوب کیا ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب حیات میں دوسروں کے لیے افادیت کا پتہ بتاتے ہوئے فرماتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

(الاحزاب)

(تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی اچھے کردار کی بہترین مثال ہے)

ان کے چلنے پھرنے، بود و باش، کھانے پینے کے انداز، کردار، لباس ہی میں ہی نہیں بلکہ انداز گفتگو میں بھی سیکھنے کے بہترین نکات تھے۔ وہ گفتگو کے اسلوب میں لوگوں کے دل جیت لیتے تھے۔ ان کی زندگی میں عجیب و غریب مقامات ہیں۔ کبھی وہ شفیق باپ ہیں اور کبھی حلیم دوست، اور کبھی میدانِ جنگ میں ایسی فوج کے کمانڈر ہیں جس کا ہر فرد ان کے اشارہ ابرو پر اپنی جان دینا فخر سمجھتا ہے۔ حسن سلوک سے لے کر صلہ رحمی تک، عدالت سے لے کر معاشیات تک، نفسیات سے لے کر طب تک انہوں نے زندگی کے ہر مرحلہ کے لیے مفید نکات کے ساتھ راہنما اصول مرحمت فرمائے ہیں اور ان میں سے ہر ایک زندگی کے ہر مرحلہ اور تاریخ کے ہر دور کے لیے قابل عمل ہے۔

تہذیب و اخلاق کے دعویٰ کرنے والوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد مفتوحہ علاقوں میں جس شرمناک کردار کا مظاہرہ کیا اس کی گتھیاں آج بھی سلجھ نہیں پائیں مگر اس کے مقابلے میں فتح کے نشہ میں چور فوجیوں کو انہوں نے جو تربیت دی وہ فتح مکہ کے بعد دشمنوں کے ساتھ دیکھی جا سکتی ہے۔

"جاؤ آج تم سے کوئی بدلہ نہ لیا جائے گا۔ اور تم سب آزاد ہو"

وہ تلوار کے زور پر نہیں بلکہ اپنے اخلاق اور حسن سلوک سے دنیا پر حکومت کی ترکیب سکھا گئے۔ ان کو انسانی ذہن۔ اس کی فزیالوجی اور بگڑ جانے پر پیتھالوجی پر اتنی دسترس حاصل تھی کہ وہ آئندہ نسلوں کے لیے عملی نفسیات کا ایک موقع چھوڑ گئے۔ انہوں نے احساس کمتری اور اس کے ردعمل میں برائی کے احساس کو کچل کر رکھ دیا۔ اپنی برتری پر فخر کرنے والی عرب قوم کی لڑکیاں حبشی غلاموں کو بیاہ کر عملاً دکھایا کہ تمام انسان برابر ہیں اور جسمانی رنگت یا

نقوش سے کوئی بڑا نہیں بنتا بلکہ بڑائی علم خدمت اور اخلاق سے پیدا ہوتی ہے۔

"کسی قوم کا سردار وہ ہوتا ہے جو اس کی خدمت کرے"

انہوں نے جس معاشرہ کی بنیاد ڈالی وہ مختلف صورتوں میں مربوط ہے۔ اس سلسلہ کی اگر کوئی ایک کڑی نکال دی جائے تو افادیت متاثر ہو جاتی ہے۔ نماز صرف خدا کی عبادت نہیں بلکہ کنج تنہائی سے نکل کر لوگوں میں گھل مل جانے کی تقریب ہے۔ اب جو نماز نہیں پڑھتا وہ اپنے آپ کو آس پاس کے لوگوں سے علیحدہ کر کے اپنے خیالات کے ساتھ تنہا رہ جاتا ہے۔ اسلام ایک بھلائی اور دوسروں کے لیے خیر خواہی کا نام ہے۔ اس کی اچھی باتیں اور زندگی کے نفسیاتی پہلو کے بارے میں ارشادات کو جمع کرنے کے بارے میں سیدہ سعدیہ غزنوی نے جو پہلا قدم اٹھایا ہے وہ بلا شبہ بارش کے پہلے قطرے کی مانند ہے مگر اس پہلے قطرے میں اضافی خوبی یہ ہے کہ اس میں روزمرہ کے نفسیاتی مسائل کا سرسری جائزہ ہی نہیں بلکہ ان سے نجات پانے کا قابل عمل نسخہ بھی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ علم نفسیات کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحائف کو جمع کر کے سعدیہ غزنوی نے ایک اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس مفید کام کو آئندہ بھی جاری رکھیں گی ۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس نیکی کی توفیق دیتا رہے۔ آمین

ڈاکٹر محمد مطیع الرحمان
مشیر برائے نفسیات
افواج پاکستان

وجہ تالیف

یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم مہربانی ہے کہ اس نے مجھے یہ توفیق دی کہ میں دین حنیف کے ایک ایسے پہلو کو جدید علوم کی روشنی میں پیش کردں جس کو ہمارے اسلاف سے توجہ میسر نہ آسکی تھی اس کا باعث نہ تو میری کوئی قابلیت ہے اور نہ علم کا کوئی دعویٰ۔ البتہ اس کی رحمت اور فضل سے یہ سعادت میرے حصے میں آئی کہ میں سیرت مطہرہ کے اہم پہلو کو لوگوں کی منفعت کے لیے پیش کردں۔

انسانی ذہن کے بارے میں معلومات۔ اس کی کارکردگی اور خرابی کے اسباب میں زیادہ تر معلومات بیسویں صدی میں حاصل ہوئیں۔ حالانکہ خیالات، ان کی نوعیت اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں معلومات کا سلسلہ ارسطو تک دراز ہے۔ اس نے خوابوں کے بارے میں مشاہدات کیے اور عین ممکن ہے کہ اس کے علم کا مأخذ حضرت یوسف علیہ السلام کی عنایات ہوں۔ الہامی کتب میں خوابوں کا ذکر ان سے پہلے کے ادوار میں بھی ملتا ہے مگر اس کو فنی حیثیت انہی کے ہاتھوں میسر آئی۔ انہوں نے خوابوں سے ملنے والے استعاروں کا عام فہم ترجمہ یا تعبیر کا علم لوگوں کو سکھایا۔ پھر حضرت دانیال علیہ السلام نے اسی موضوع کو آگے بڑھایا مگر انہوں نے شاگرد نہ بنائے۔ اس علم کو علمی حیثیت پہلی مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ملی۔ انہوں نے لوگوں کے خواب سننے اور تعبیریں بیان کرنے کا باقاعدہ وقت مقرر کیا تھا اور ان سے یہ علم سیکھنے والوں نے اسے اسی اہتمام سے آگے چلایا۔ خواب کی تعبیر بیان کرنے والے کے لیے ''معبر'' کی اصطلاح بن گئی۔ کیونکہ انہوں نے اسے باقاعدہ علم بنا دیا تھا۔

توریت مقدس میں خودکشی کے متعدد واقعات مذکور ہیں مگر ان کے عمل کو برا نہیں

بتایا گیا۔ دوسرے مذاہب میں خاوند کے ساتھ خود کو جلا لینا یا بادشاہ کی خوشنودی کے لیے پیٹ میں تلوار گھونپ لینا۔ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ کم کرنے کے لیے خود سوزی وغیرہ کی رسوم کو متعدد مذاہب کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ انسانی جان کو اہمیت پہلی مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی۔ اور اسے ضائع کرنے کے لیے خودکشی یا انسانوں کو رنگ، نسل یا جسمانی نقائص کی بنا پر حقیر جاننے کی رسم بھی انہی نے ختم کی۔ انہوں نے انسان کو اس کا شرف عطا فرمایا۔ انسان کی خودی کا تصور بھی انہی کی عطا ہے۔ جس پر پوری انسانیت کو ان کا شکر کرنا واجب ہے۔

آپس میں ملاپ کا معاہدہ جب مذہب یا قانون کی سرپرستی میں انجام پائے تو یہ شادی ہے مگر دو افراد کا یکجا رہنا مسائل کا باعث ہو سکتا ہے۔ خوشگوار زندگی گزارنے کے اصول ہر دور اور ہر معاشرے میں مرتب پائے۔ مگر ان کی افادیت محدود رہنے کے ساتھ کوئی بات بھی یقینی نہ ہو سکی جس کی وجہ سے ازدواجی الجھنیں اور تنازعے پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ان مسائل کے حل کے لیے بھی خصوصی مراکز قائم ہوئے اور کبھی کمیشن بیٹھے مگر طلاقوں کی شرح روز بروز بڑھتی ہی رہی۔ سکنڈے نیویا کے رہنے والوں نے طلاق کے پیچیدہ طریق کار سے جان چھڑانے کی عجیب ترکیب یہ نکالی کہ نکاح ہی نہ کیا جائے۔ اس لیے جب چاہو علیحدہ ہو جاؤ۔ کسی پر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔ یہ بیہودہ شادی انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ کیونکہ انسان کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی زندگی کی اساس یقینی چیزوں پر ہے۔ اسی لیے بہت سے لوگ ذاتی کاروبار کی بجائے سرکاری ملازمت کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں تنخواہ اور پنشن یقینی ہوتے ہیں۔ اسلام نے ازدواجی مسائل کے ہر حصہ کو اتنی تفصیل سے حل کیا ہے کہ ان کے علاوہ جس کسی نے کبھی اور کوئی حل تلاش کرنے کی کوشش کی وہ ناکام ہوا۔

روزمرہ کے نفسیاتی مسائل میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو ماہرین نفسیات نے علیحدہ بیماری کے طور پر بیان نہیں کیا۔ حالانکہ عادات، اطوار، کردار میں ان کی حیثیت مسلمہ ہے۔ جیسے کہ بغض، حسد، غصہ، غیبت، بہتان، جاسوسی وغیرہ۔

حضرت مطلب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا غیبت کیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ تو کسی کے بارے میں کسی چیز کا تذکرہ اس کی غیر حاضری میں ایسے انداز میں کرے کہ اگر اس کے سامنے کیا جائے تو اسے بُرا لگے۔
سائل نے پوچھا کہ وہ بات اگر حقیقت ہو تو پھر؟ اگر تو نے باطل کہا تو وہ بہتان ہو جائے گی۔ (مالک)

علماء نفسیات ان تمام چیزوں کو دوسری بیماریوں کی علامت قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ ڈاکٹروں کے نزدیک کھانسی بذات خود کوئی بیماری نہیں بلکہ متعدد بیماریوں کی علامت ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرداً فرداً بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں ایک مسئلہ ہے اور اس کا حل اسی کے اس باب میں سے تلاش کیا جائے۔
یہ مختصر سی تالیف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفسیاتی ارشادات کا مکمل جائزہ نہیں بلکہ اس سلسلہ میں پہلا قدم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا تو انشاء اللہ ان میں سے ہر موضوع پر ارشادات نبوی پیش ہوں گے۔
اللہ تعالےٰ نے اس خدمت کو بجا لانے اور اس کی تکمیل کے مراحل کو آسان کرنے کے لیے مجھے علماء کرام میں سے مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب۔ حافظ عبدالرشید صاحب مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی صاحب۔ مولانا عبیدالحق خاں صاحب ندوی اور مولانا محمد حسین اکبر صاحب کی راہبری میسر آئی۔
ماہرین نفسیات میں ڈاکٹر مطیع الرحمان صاحب۔ ڈاکٹر سید اظہر علی رضوی صاحب اور ڈاکٹر عبدالرؤف میر صاحب نے مجھے اپنی ذاتی تجربہ سے مشکور فرمایا۔ ڈاکٹر نوشین رحمان صاحبہ نے اپنی پوری لائبریری میری تحویل میں دے دی اور اس طرح ان بزرگوں کی عنایات سے کتابی شکل پائی۔
پرنسپل ڈاکٹر محمد معروف ریٹائرڈ پرنسپل ڈاکٹر خالد مسعود قریشی۔ پروفیسر محمد رمضان مرزا اور پروفیسر سلطان صلاح الدین قریشی نے حوصلہ افزائی فرما کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔
اس کتاب کے تصور سے لے کر تکمیل ہی نہیں بلکہ طباعت کا ہر مرحلہ ڈاکٹر خالد غزنوی

کی توجہ، مشورہ اور کوشش سے مکمل ہوا۔ میں نے ان کے ذخیرے اور مقالات کو استعمال کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ اور اگر میری تحریر میں ان جھلک ملے تو یہ قدرتی بات ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کو تعلیم اور تربیت دینا باپ کی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنا شرعی فرض ادا کیا مگر بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ۔

۳۵۔ چمبرلین روڈ لاہور　　　　　سیدہ سعدیہ غزنوی

خوف اور ڈر

FEAR COMPLEX

انسان کی بنیادی جبلتوں میں ڈر، غم اور خوشی اہمیت رکھتے ہیں۔ انسان جب اپنے لیے کوئی فوری خطرہ محسوس کرتا ہے تو اس کا ردِعمل فکر، دہشت، گھبراہٹ، پریشانی وغیرہ کی صورتوں میں ہوتا ہے۔ خطرہ اگر فوری نوعیت کا ہو تو اس سے جسم کانپنے لگتا ہے، درجہ حرارت گر جاتا ہے، آنکھوں کی پتلیاں پھیل جاتی ہیں۔ دل ڈوبنے لگتا ہے۔ یہ کیفیت کسی بری خبر کو سننے سے بھی پیدا ہو سکتی ہے اور حادثہ کے بعد بھی۔ علم طب میں اسے SHOCK کہتے ہیں۔ اس کو اردو میں صدمہ کہا گیا ہے۔ مگر یہ لفظ صورتِ حال کی شدت کو واضح نہیں کرتا۔ دیکھا گیا ہے کہ لڑائی، خوف، فرار سے علم الابدان میں FEAR FIGHT FLIGHT کہتے ہیں۔ ہر ایک کے دوران ایک ایسا کیمیاوی جوہر پیدا ہوتا ہے جو جسم میں ایسی تبدیلیاں لاتا ہے جن کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کیفیات کو EMERGENCIES OF LIFE یا زندگی کے خطرات کہتے ہیں۔

انگلستان میں سرجری کے ایک اعلیٰ امتحان کے دوران سوال یہ پوچھا گیا کہ صدمہ کی شدید کیفیت میں مریض کا سب سے پہلے علاج کیا کیا جائے؟ اس باب میں لوگوں نے مختلف جواب دیئے اور فیل ہوئے۔ اس کا جامع جواب تھا۔

A WORD OF COMFORT

(تسلی اور اطمینان کے چند الفاظ)

ایسے امراض کے علاج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ بہتر اور جامع اصول مرحمت فرمایا۔

حضرت ابی رمثہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انت الرفیق و اللہ الطبیب (احمد)

(تمہارا کام مریض کو اطمینان دلانا ہے۔ علاج خدا خود کرے گا)

اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں جن میں معالج کو ہدایت کی گئی ہے۔ کہ وہ مرض سے دلچسپی لینے کی بجائے مریض کو تسلی دے۔ اطمینان دلائے تاکہ اس کے دل سے دہشت دور ہو۔ سانحات۔ ذہنی صدموں اور بیماریوں کے دوران مریض کو اطمینان دلانا زیادہ اہمیت کا باعث ہے۔ ہر مسلمان کے لیے یہ لازمی ہے کہ جب اس کا کوئی بھائی بیمار ہو تو اس کی عیادت کو جائے۔ حضرت ابو سعید الخدری رضؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا دخلتم علی المریض، فنفسوا له فی الاجل؛ فان ذٰلك لا یرد شیئا، وھو یطیب نفس المریض۔

(ابن ماجہ)

(جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی اجل کو مہلت دو۔) (یعنی اس کو امید دلاؤ اور حوصلہ دو) کیونکہ ایسا کرنے سے اس کو نفسیاتی حوصلہ ہوتا ہے)۔

محدثین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا اسلوب بیان کیا ہے۔ کہ وہ سب سے پہلے مریض سے اس کے حالات پوچھتے۔ علامات کو سنتے اور پھر فرماتے کہ لا بأس طهور

انشاء اللہ اس کا نفسیاتی فائدہ یہ ہے کہ مریض کی تنہائی دور ہوتی۔ اسے ذہن کے اندر چھپی ہوئی کیفیتیں اور تکلیفیں نکالنے کا موقع ملا اور پھر اسے تسلی ہوئی کہ وہ اللہ نے چاہا تو ٹھیک ہو جائے گا۔

گھبراہٹ۔ دہشت۔ خوف۔ ڈر اور غم کا ماخذ بیماری۔ سماجی جھگڑے۔ فسادات اور جنگوں کے علاوہ خاندانی یا قرابتی مسائل بھی ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے اکثر جب وقوع پذیر ہوتے ہیں تو فرد کے جسم پر ردعمل کسی بھی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسے کہ دروازے پر پولیس آجائے تو وہ گھبراہٹ کا شکار ہو جائے گا۔ ڈر اور گھبراہٹ کے درمیان ماہرین نے فرق

یہ رکھا ہے کہ خطرہ ایک واضح اندیشہ ہے۔ جب کہ گھبراہٹ خیالی چیز ہے یا متوقع خطرات کا ردعمل ہے ہر خطرے کا ردعمل مختلف ہوتا ہے کسی جگہ فرار کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی جگہ بھاگ جانے کی بجائے رونا دھونا اور بے ہوش ہوجانا ہی کافی رہتا ہے۔ اس قسم کے حالات جب کسی مسلمان کو پیش آئیں تو قرآن مجید فرماتا ہے۔

وبشر الصٰبرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ، واولئک ھم المھتدون۔

(البقرہ - ۱۵۵)

(خوشخبری ہے ان صبر کرنے والوں کے لیے جن کو جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے۔ وہ اللہ کا دیا ہی تو ہے اور ہم سب اسی کی جانب لوٹ جانا ہے۔ ان پر اللہ کی طرف سے انعامات اور رحمت نازل ہوتی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں)

اس سے پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم تم کو نقصان مال وزر۔ ڈر اور خوف کے ذریعہ آزمائش میں ڈال کر استقامت اور یقین کا امتحان لیتے ہیں۔ اور جو ایسی تکالیف کے باوجود ثابت قدم رہیں ان کو بہترین صلہ ملے گا۔

جدید نفسیات اگرچہ ذہن کی تمام کیفیتوں اور تکلیفوں کا احاطہ کرتی ہے لیکن اس میں تالیف خوف یا احساس خوف تو علیحدہ موجود ہیں لیکن ان سے وابستہ غم۔ ڈر اور حسد بطور علیحدہ مرض موجود نہیں۔ بلکہ یوں کہئے کہ جیسے کھانسی ایک علامت ہے مرض نہیں۔ کسی کو تپ دق ہے تو کھانسی آئے گی اور یہی چیز گلے کی خرابی سے لے کر خسرہ تک میں ہوسکتی ہے۔ جس طرح کھانسی بذات خود بیماری نہیں اسی طرح وہ حسد کو علیحدہ کیفیت تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ دوسری بیماریوں کی علامت ہے بلکہ ہماری رائے میں ڈر۔ خوف۔ غم کے ساتھ غصہ بھی شامل ہونا چاہیے کہ یہ بھی انہی میں سے ایک کا حصہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذہنی خلجان پیدا کرنے والی ان تمام جبلتوں پر پوری توجہ دی ہے

انسان کے علاج کے اصول میں پہلی بات یہ بتا کر کہ مریض کو پہلے اطمینان دلاؤ۔ اسے حوصلہ دو۔ پھر اس کی بات سنو تاکہ اس کے ذہن میں جو کچھ ہے اسے باہر نکال کر دماغ کو ہلکا کر دے۔ پھر یہ مشورہ دیا کہ تم خدا سے دعا کرو۔ قطع نظر اس بات کے علاج کے لیے نفسیاتی طور پر POSITIVE TRASFERENCE ایک حقیقت ہے۔ جنگ خندق لڑی جا رہی تھی۔ دشمن نے مدینہ کا ہر طرف سے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ وہ ایک ٹولیاں خندق پھاند کر اندر بھی آئیں۔ راشن کی کمی۔ افراد کی کمی اور مسلسل دباؤ سے دہشت طاری تھی۔ حضرت ابی سعید الخدریؓ روایت فرماتے ہیں کہ گھبراہٹ کی اس کیفیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔

کیفیت (اعراب)

"سب لوگ گھبرائے ہوئے ہیں۔ دہشت کا یہ عالم ہے کہ دل سینوں سے اچھل کر باہر نکل جانے کو ہیں۔ ہماری ہمت بندھانے کے لیے کچھ کیجئے۔

حضورؐ نے فرمایا۔

اللّٰھم استر عوراتنا و اٰمن روعاتنا۔

بار بار پڑھو۔ (احمد)

اس دعا کا فوری نتیجہ نکلا۔ لوگوں کو حوصلہ ہوا۔ دشمن بھاگ گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اضافی خوشخبری یہ سنائی کہ تم عنقریب روم اور ایران بھی فتح کر دگے۔

اگر ہم ان بیماریوں کو اسی شکل میں تسلیم کر لیں جس صورت میں جدید نفسیات ہم کو نامکمل صورت میں بتا رہی ہے تو تب بھی ان کا علاج کسی دوائی کی بجائے تحلیل نفسی کے طریقوں سے ہے۔ آج کل کے اکثر ڈاکٹر مریض کو وقتی گھبراہٹ کے لیے مسکنات یا خواب آور گولیاں دیتے ہیں۔ جب تھوڑا سکون اور اعتماد نظر آتا ہے اور مریض بات چیت کے قابل ہوجاتا ہے تو پھر گفتگو اور مرض کے اسباب۔ طویل مجالس سے تلاش کیے جاتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ مریض کو معالج پر حد درجہ اعتماد ہو وہ اس کی کسی بھی رائے یا مشورہ پر اعتراض نہ کرے بلکہ اس کی ہر بات کو من وعن قبول کرے تو علاج ممکن ہے۔ اور اس میں بھی ۳-۲ سال لگ جانا معمولی بات ہے۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ روایت حضرت عائشہؓ سے میسر ہے۔
ان کے خاندان میں جب کوئی مر جاتا اور تعزیت کے لیے آنے والی عورتیں
چلی جاتیں تو گھر کی خواتین دن بھر کی مجلس سے تھک جاتیں تو اس وقت
تبینہ (جو کا دلیا) تیار کرنے کا حکم دیتیں۔ پھر ثرید تیار ہوتا۔ (شوربہ میں روٹی
توڑ کر ڈالنا)۔ ثرید کے پیالہ کے اوپر تبینہ ڈال کر گھر کی تھکی ہوئی خواتین کو
کھلایا جاتا اور کہا کرتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
سنا ہے کہ۔

التلبينة مجمة لفواد المريض، تذهب ببعض
الحزن۔ (بخاری، ترمذی، نسائی)

(تبینہ دل کے جملہ عوارض کا مکمل علاج ہے۔ یہ دل پر سے غم کو اتار
دیتا ہے)

یہاں پر دل سے غم کا بوجھ اتارنے کے لیے ایک باقاعدہ چیز کا استعمال کیا گیا
جس میں توانائی کے ساتھ دل کو سکون دینے والے اجزاء شامل ہیں۔ دل پر بوجھ کی صورت
حال میں قرآن مجید نے ایک اہم نفسیاتی اصول رحمت فرمایا ہے۔

واعبد ربك حتى يأتيك اليقين

(الحجر۔ ۹۹)

(اپنے خدا کی اس طرح عبادت کرو کہ تمہیں کسی شک و شبہ کے بغیر اپنی
طلب کے حصول کا یقین ہو)۔

قرآن مجید اور خوف :

جب تک تکلیف آنہ جائے اس وقت تک اس کی دہشت اور ڈر یا خوف ہوتے ہیں۔
قرآن مجید نے اس کیفیت کو واضح کرتے ہوئے ایمان رکھنے والوں کو اس مسئلہ کی جانب نہ
صرف توجہ دلائی ہے۔ بلکہ یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ ہم تم کو ان چیزوں سے بچانے کی ذمہ داری

بیلتے ہیں۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیہم ولا ھم یحزنون ۔ (الاحقاف ۔۱۳)

(جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے۔ اور پھر وہ اس پر قائم رہے ان کو کسی قسم کا کوئی ڈر نہ ہوگا۔ اور نہ ہی وہ غم کھائیں گے)۔

اسی بات کو دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا۔

وینجی اللہ الذین اتقوا بمفازتھم لا یمسھم السوء ولا ھم یحزنون ۔ (الزمر :۶۱)

(اللہ ان لوگوں کو خود بچائے گا جو اس سے ڈرتے تھے نہ تو ان کو کوئی برائی ہوگی اور نہ ہی ان کو غم کھانا چاہیے)۔

قرآن مجید تالیف خوف سے نجات دلانے کی گارنٹی دیتے ہوئے کہتا ہے ۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون ۔ (یونس : ۶۲)

(یہ جان لو کہ یہ ہمارے دوست ہیں۔ اور ان کو کسی خوف اور غم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں)

ایسے لوگوں کی مثال کے ذریعہ بتایا گیا کہ وہ ہمارے دوست ہیں۔ اور اپنے دوستوں کو ڈر خوف اور غم سے نجات دلانا ہماری ذمہ داری ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب تم ہمارے دوست بن جاؤ تو ڈر اور غم سے نجات دلانا ہماری ذمہ داری ہے دوست بننے کی ترکیب یہ ہے کہ۔

من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ (المائدہ ۔۶۹)

اللہ کا دوست بن کر خوف سے بچنے کی گارنٹی حاصل کرنے کی شرائط کا ذکر ابتدائی صورتوں میں بھی وضاحت سے ملتا ہے۔

ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت واقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون ۔ (البقرہ : ۲۷۷)

(وہ لوگ جو ایمان لائے۔ انہوں نے اچھے کام کیے ۔ نماز پڑھی۔ زکوٰۃ دی تو ان کو اللہ کی طرف سے عمدہ صلہ ملے گا اور نہ ہی ان کے لیے ڈرنے کی کوئی بات ہوگی اور نہ ہی ان کو کبھی ڈرنے کی کوئی ضرورت ہوگی)

اسی آیت سے پہلے دو مقامات پر یہ بتایا گیا جو اپنا مال خدا کے راستہ میں غریبوں مسکینوں اور حاجتمندوں کو دیتے ہیں ان کے ان اعمال کا صلہ اللہ ان کو اچھا دے گا اور آئندہ کے لیے انہیں کسی قسم کا کوئی خوف زندگی میں نہ ہوگا۔

فمن تبع هدای فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون ۔ (البقرہ : ۳۸)

(جو ہماری ہدایت (راستہ) کی پیروی کرے گا نہ تو اس کو کسی قسم کا خوف لاحق ہوگا اور نہ ہی وہ کوئی غم کرے گا)

قریش کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور عنایات جتلاتے ہوئے فرمایا ۔

فلیعبدوا رب هٰذا البیت الذی اطعمهم من جوع، واٰمنهم من خوف ۔ (القریش ۴،۳)

(اس گھر کے رب کی عبادت کرو اور یہ وہ رب ہے جو تمہیں بھوک لگنے پر کھانا دیتا ہے۔ اور خوف سے نجات دیتا ہے)

ڈر، خوف اور غم سے نجات دلوانے کا وعدہ قرآن مجید نے چالیس سے زیادہ مقامات پر کیا ہے ۔ پھر وہ مثال دے کر بتاتا ہے کہ لوگ جب اپنے مسائل ہمارے پاس لاتے ہیں یا اپنی مصیبت سے نجات پانے کے لیے ہماری طرف دیکھتے ہیں جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچپن ۔

ہم نے موسیٰ کی ماں کو مطلع کیا کہ تو اپنے نوزائیدہ بچے کو بے فکر ہو کر دریا

میں ڈال دے۔ اس سلسلہ میں تمہیں کسی خوف یا دہشت کی ضرورت نہیں۔ ہم یہ بچہ نہ صرف کہ تمہیں واپس لا دیں گے بلکہ اپنے فرستادگان میں مقرر کر رہے ہیں۔ (القصص ـ ۷)

یہ وہ خطرناک دور تھا جب فرعون پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل کر دیتا تھا کیونکہ نجومیوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ لڑکا عنقریب پیدا ہونے والا ہے جو تم کو قتل کر دے گا اس نے بچاؤ کی ترکیب یہ سوچی کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت موسیٰ پیدا ہوتے تو رواج کے مطابق ان کو قتل کر دیا جاتا۔ خدا تعالیٰ نے ان کی والدہ کو کہا کہ وہ بچے کو دریا میں پھینک دے۔ دریا سے فرعون کی بیوی نے انہیں نکالا اور پرورش بھی اسی کے گھر میں پائی اور پھر رسالت خداوندی حاصل کر کے فرعون کا مقابلہ کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی تو دشمن ان کے تعاقب میں تھے یہ اپنے رفیق سفر حضرت ابوبکر صدیق کے ہمراہ غار ثور میں پناہ گزین ہوگئے۔ تعاقب کرنے والے وہاں بھی آ گئے۔ ساتھی کو ان کی آمد سے دہشت ہوئی کہ اب تو زندہ نہیں چھوڑیں گے اس واقعہ کو قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے۔

الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا، فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلی، وکلمۃ اللہ ھی العلیا، واللہ عزیز حکیم۔ (التوبۃ ـ ۴۰)

(اگر تم ہمارے رسول کی مدد نہ کرو گے تو اللہ خود مدد کرے گا۔ اور جب کافروں نے اس کو گھر سے نکالا۔ وہ دو تھے اور جب وہ غار میں تھے تو دوسرے نے اپنے صاحب سے دشمن کے خطرے کا ذکر کیا تو اس نے کہا کہ تو مت ڈر کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ان کے دلوں میں اطمینان ڈالا گیا۔ اور ان کی امداد میں ایسے لشکر آئے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے اور یہ

یاد رکھو کہ کافروں کی بات دب جائے گی اور اللہ کی بات بلند ہوگی کیونکہ وہ غالب اور حکمت والا ہے)

دشمن گھر انکالنا ہوا سر پہ آگیا۔ غار میں نکل جانے کا دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ ایسے موقعہ پر ساتھی کا گھبرا جانا کوئی حیرت کی بات نہ تھی۔ مگر ان کو بھروسہ تھا تو اس کی ذات پر تھا جس نے اپنے ماننے والوں کو ڈر اور دہشت سے نکال لینے کا وعدہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک عاجز بندہ جب تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی درخواست بڑی آسان اور سادہ یوں بتائی گئی۔

قال انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ۔ (یوسف ۸۶)

(میں تو مصیبت کا حال اور غم اپنے اللہ کی طرف بیان کرتا ہوں)

اور جب مشکل آسان ہوگئی خطرہ ٹل گیا تو شکر گذار ہونا حسن اخلاق ہے۔

وقالوا الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور۔ (فاطر ۳۴)

قرآن مجید سے ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خدا ہر مرحلہ پر یہ ذمہ داری لینے پر تیار ہے کہ وہ اپنے اوپر یقین رکھنے والوں کو ڈر۔ خوف اور غم سے نجات بچائے گا اس نے واقعات سے بتایا کہ وہ کس طرح مختلف ادوار میں اپنے اوپر یقین رکھنے اور اسی سے طلب کرنے والوں کو امداد کے لیے آڑے وقتوں میں آتا رہا اور اس کے لیے آئندہ بھی ایسی مہربانی کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ قرآن مجید کا مطالعہ ہمیں یہ اہم نفسیاتی حقیقت بتاتا ہے کہ تالیف خوف اور ڈر سے بچنے کا بہترین طریقہ تحلیل نفسی نہیں بلکہ خدا سے مدد طلب کرنا ہے۔ اور یہ مدد یقیناً میسر ہوگی کیونکہ وہ پکارنے والوں کی سنتا اور شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔

خوف کی ماہیت کا اصولی علاج :

جب خطرہ سامنے نظر آئے اور فرار کی کوئی صورت موجود نہ ہو تو صحیح خوف پیدا ہوتا ہے

خطرہ اور اس سے پیدا ہونے والی دہشت عمر، حالات اور وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ چھوٹی عمر کے بچوں کو ہر نئی اور نامانوس چیز سے ڈر لگتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ تمام بچے ایک ہی چیز سے ڈریں۔

گھر میں ایک ڈراونی فلم چل رہی تھی۔ ایک صاحب گھر کے بچوں کو ڈرانے کے لیے یہ فلم خاص طور پر لے کر آئے تھے۔

ایک چار سالہ بچہ اپنی چھ سالہ بہن کو بتانے لگا کہ تم یہ فلم نہ دیکھو کہ یہ بھوت رات کو تمہیں ڈرانے کے لیے آئیں گے۔ جب کہ اس کے اپنے ردعمل سے ڈرنے والی کسی بات کا کوئی اظہار نہ تھا۔

آٹھ سال کی عمر کے بعد ڈرانے والی چیزوں کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ بعض بچے زیادہ دیر تک خیالی کرداروں سے ڈرتے رہتے ہیں مگر ان کے ساتھ ساتھ مشکل ڈر کی چیزیں جیسے کہ بلندی کا ڈر۔ اندھیرے کا ڈر۔ تنہائی کا ڈر۔ سفر کی خاص خاص سواریوں کا ڈر۔ PHOBIAS کی صورت میں مستقل حیثیت اختیار کر کے تالیف خوف۔ FEAR COMPLEX کا باعث بنتے ہیں۔

امریکہ میں ایک صاحب دو سال تک بلندی کے خوف کا علاج کرواتے رہے۔ شفایاب ہوتے پر اپنے معالج کی ہدایت کے مطابق ایک روز کوٹھے سے نیچے دیکھ کر اپنا سبق دہرانے لگے۔

"میں اوپر دیکھتا ہوں"
"میں نیچے دیکھتا ہوں"
مگر مجھے کوئی ڈر نہیں لگتا۔

تیسری مرتبہ سبق پڑھتے ہوئے نیچے دیکھنے پر ان کو ایسا چکر آیا کہ چالیسویں منزل سے نیچے گر کر راہئے ملک عدم ہو گئے۔

اچھے اچھے سمجھدار آدمی یہ شکایت کرتے سنے گئے ہیں کہ اگر وہ گھر میں اکیلے ہوں تو ان کو ڈر لگتا ہے۔ کسی کو شکایت ہے کہ اگر وہ اکیلے سفر پر جائیں تو ان کو ڈر لگتا ہے۔ بلکہ

ایسے مریض بھی دیکھے گئے ہیں جو دو چار میل کی مسافت بھی اکیلے طے کرنے میں گھبراتے ہیں جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ سمجھدار ہیں۔ پڑھے لکھے ہیں۔ ذرا سوچ کر بتایئے کہ مال روڈ جیسی آباد سڑک سے گاڑی میں سمن آباد جانے میں آپ کو کس چیز سے اور کیا ڈر لگتا ہے؟ وہ سمجھا نہیں سکتے مگر واضح علامات دکھا سکتے ہیں کہ چہرے پر گھبراہٹ طاری ہے۔ دل تیز چل رہا ہے اور ٹھنڈے پسینے دور سے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ اگر کوئی دس سال کا بچہ بھی ہو تو ان کو اعتماد محسوس ہونے لگتا ہے۔ اور ڈر ختم ہو جاتا ہے۔ قبر کا ڈر۔ وہاں کے اندھیرے اور کیڑے مکوڑے یقیناً دہشت کا باعث ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ ایک مسئلہ ہے جس میں کسی کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ موت کا ڈر بھی ایک بنیادی حقیقت ہے۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ اکثر حضرات اپنے آپ کو دہشت زدہ قرار دینے کی بجائے ڈر کی وجہ بیان کرتے ہیں۔ اکثر مریض بیمار ہونے یا شفایابی سے مایوس ہونے کے بعد ڈاکٹروں سے تو در کنار ہسپتالوں کے عملہ کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں روتے ہیں کہ خدا کے واسطے مجھے بچالو۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ ان کا پرسان حال کوئی نہ ہوگا۔ وہ بلک بلک کر مر جائیں گے۔ میں تو ان کی خاطر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔

ان کیفیات کے مقابلہ میں نفسیات کا پورا علم معذور سا اور بے کار ہے۔ یہ وہ مراحل ہیں جن سے گذرنے کے لیے ایمان۔ یقین اور اپنے عقائد پر اعتماد کی ضرورت ہوتی ہے اسلام کا بنیادی اصول ہے کہ بیماریوں سے شفا اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہوتی ہے اس میں کسی معالج کا کوئی کمال نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ بیماری کہاں سے آتی ہے۔ جواب ملا کہ میری طرف سے پھر پوچھا کہ شفا کہاں سے آتی ہے ارشاد ہوا میری طرف سے تو کہنے لگا کہ جب بیماری اور شفا آپ کی طرف سے ہیں تو پھر معالج کی ضرورت کیوں رہ ہے؟

ارشاد باری ہوا کہ معالج وہ شخص ہے جس کے ذریعہ اللہ کی مہربانی شفا کی صورت میں موصول ہوتی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری جس کی دوا نہ اتاری نہ گئی ہو۔ جب دوائی کے اثرات مرض کی ماہیت کے مطابق ہو جاتے ہیں تو اللہ کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔ (مسلم)

یہ امر مسلمہ ہے کہ شفا اللہ کی جانب سے ہے۔ زندگی اور موت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے انسانوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور آہ و زاری سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے حالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا اور صدقہ کا مشورہ دیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خوف :

انہوں نے کسی بھی ماہر نفسیات سے زیادہ خوبصورتی اور توجہ سے خوف۔ ڈر۔ غم کا نہ صرف علاج بتایا ہے بلکہ اس کے اسباب کو توجہ میں رکھتے ہوئے ان کا علاج بھی فرما دیا ہے۔

مثال کے طور پر لوگوں سے بدمزگی بدتمیزی۔ غرور۔ احساس برتری سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص خود اپنے کو دوسروں سے اعلیٰ سمجھتا ہے۔ اس کو گمان ہے کہ اس کی ذات دوسروں سے اونچی ہے تو جواب میں اسے بھی ایسا ہی سلوک توقع کرنا چاہیے۔ ایسے حالات میں انہوں نے حسن اخلاق۔ بدزبانی اور غرور سے منع فرمایا۔ جیسے کہ ایک روز فرمایا کہ اپنے ماں باپ کو گالیاں نہ دیا کرو۔ لوگوں نے کہا کہ کون بدنصیب اپنے ماں باپ کو گالی دے سکتا ہے۔ فرمایا کہ جب تم دوسروں کے ماں باپ کے گالی دو گے تو تمہارے ماں باپ کو جواب میں یقیناً گالی نصیب ہوگی اور وہ تم نے دلوائی۔

حضرت انس رضؓ بن مالک روایت فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
فحاشی اور بدگوئی تمہاری شخصیت کو خراب کرے گی اور حیا اسے تزئین اور آرائش دے گی۔ (ترمذی)

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار نے فرمایا۔
مومن کے میزان میں خوش خلقی سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہوگی۔

(ترمذی۔ ابو داؤد)

بلکہ وہ یہاں تک گئے کہ خوش خلقی کو اسلام کا نشان قرار دیا۔ جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو روانہ فرمایا اس باب میں وہ بتلاتے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور معاذ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا اور روانگی کے وقت فرمایا۔

"لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤ۔ ان کو خوشخبری سناؤ۔ نفرت نہ دلاؤ بلکہ آسانی پیدا کرو۔ مشکل میں نہ ڈالو۔ آپس میں اتفاق رکھو اور اختلافات نہ کرو۔

(ابوداؤد۔ النسائی)

یہ تمام باتیں خوف سے دور کرتی ہیں۔ حسن اخلاق کے نتیجہ میں کسی بھی مصیبت کے وقت لوگوں کی ایک کثیر تعداد اس کی امداد پر تیار ہوگی۔

کردارئیت نفسیات کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ حضور اقدس نے اس کو صحیح نہج پر چلانے کے بعد مسئلہ کو براہ راست توجہ دی۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضورؐ مسجد میں دن کے وقت تشریف لائے تو ایک انصاری ابوامامہ کو دیکھا اور پوچھا کہ نماز کے وقت کے علاوہ تم کیسے آگئے؟

انہوں نے جواب دیا کہ حضور! قرضوں اور غموں نے پریشان کرکے یہاں لا بٹھا دیا ہے"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ تمہارے غم نکال دے اور تمہارے قرض بھی ادا ہو جائیں"

کہنے لگے "ضرور، ہر صبح اور شام یہ پڑھا کرو۔

اللهم انی اعوذ بك من الهم والحزن واعوذ بك من العجز

والکسل، واعوذ بك من الجبن والبخل، واعوذ بك من غلبة الدین و قهر الرجال۔

(اے اللہ میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں غم اور خوف سے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں کمزوری اور سستی سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں کنجوسی اور بخل سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قرضوں کے بوجھ اور لوگوں کے ستم سے)۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے حسب ہدایت اسے صبح شام پڑھا میرے غم جاتے رہے اور قرض اتر گئے۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو غم اور فکر زیادہ ہوں وہ یہ بار بار پڑھتا رہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اس حدیث میں بخاری اور مسلم نے اضافہ کیا ہے کہ یہ ورد جنت کے قیمتی خزانوں میں سے ہے۔ جب کہ ترمذی نے اسے جنت کا دروازہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بتاتے ہیں کہ حضور کو جب کوئی غم یا خوف ہوتا تو آسمان کی طرف منہ اٹھا کر تین مرتبہ یہ پڑھتے۔

سبحان اللہ العظیم

اور دعا کے دوران یا حی یا قیوم بار بار پڑھتے جب کہ ترمذی میں انسؓ کی روایت کے مطابق اس کے ساتھ برحمتك استغیث کا اضافہ کرتے تھے۔

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بھائی یونس نے مچھلی کے پیٹ میں اپنی رہائی کے لیے جو دعا پڑھی تھی وہ تمام مسلمانوں کے لیے رنج خوف اور غم سے نکلنے کی بہترین ترکیب ہے۔

لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین

ایک اور ذریعہ میں فرمایا گیا کہ میرے نزدیک غم کے مارے ہوئے انسانوں کے لیے اس سے عمدہ کوئی ترکیب نہیں (ترمذی)

اس ضمن میں حضرت اسماء بنت عمیس رض فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں تمہیں وہ ایسے کلمے سکھا رہا ہوں جن کو غم اور فکر کے دوران پڑھ اور وہ یہ ہیں"

اللہ ربی لا اشرک بہ شیئا

اور یہ کلمات صبح۔ شام سات سات مرتبہ پڑھے جائیں۔

مسند احمد بن حنبل میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ غم۔ مصیبت اور خوف کو دور کرنے کے لیے نماز پڑھی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"مدد مانگا کرو صبر اور نماز کے ساتھ"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رنج۔ غم۔ خوف۔ دہشت۔ گھبراہٹ اور الم سے نجات حاصل کرنے کے لیے اللہ سے مدد مانگنے کے جو طریقے بتائے ہیں ان میں سے ہر ایک مفید اور صدیوں سے آزمودہ ہے۔ مثلاً انہوں نے ایک دعا لوگوں کو صبح شام پڑھنے کے لیے بتائی ہے۔ عمرو بن شعیب، اپنے والد محترم اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص روزانہ یہ الفاظ پڑھے اس روز شام تک، وہ کسی بھی خوف سے یا کسی خطرناک، بیماری سے محفوظ رہے گا۔ جو شام کو پڑھے گا وہ اگلے روز تک، مامون رہے گا۔

اعوذ بکلمات اللہ التامة من غضبه وعقابه وشر عباده، ومن همزات الشیاطین؛ واعوذ بک رب ان یحضرون۔ (ترمذی)

یہ دعا حدیث شریف کے ہر مجموعے میں ملتی ہے۔ یہ بیسیوں اصحابہ سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ بچوں کو یہ یاد دلادی جائے اور جو یاد نہ کر سکے لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے۔

اس عظیم نسخہ کے مجرب ہونے کی ہمارے متعدد جاننے والوں نے تصدیق کی ہے۔

ایک صاحب بیان کرتے ہیں۔

گرمی کی دوپہر میں ایک گلی سے گذر رہا تھا کہ ایک کتا بھونکتا ہوا میری سمت دوڑ سے آیا۔ میں اگر دوڑ لگاؤں تو وہ مجھے پھر بھی آ لے گا۔ قریب میں نہ کوئی پتھر اور نہ کوئی لکڑی۔ ایسے میں مجھے خطرناک چیزوں سے بچانے والی وہ مسنون دعا یاد آ گئی۔ میں نے وہ پڑھنی شروع کی۔ ابھی اسے ایک دفعہ ہی پڑھا تھا کہ جیسے کتے کے پاؤں جکڑے گئے۔ وہ میری طرف چند سیکنڈ گھور کر دیکھتا رہا پھر چپ کر کے دوسری طرف مڑ گیا۔

ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جن میں فرمایا گیا کہ اگر کسی نئی جگہ قیام یا منزل کرتے وقت اسے پڑھا جائے تو قیام کے دوران کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ ہوگا۔

محمد ابن ابوبکر نے ھدیۃ صلی اللہ علیہ وسلم فی علاج الکرب والھم والغم والحزن ۔ کے عنوان سے اپنی تالیف الطب النبوی) میں ایک علیحدہ باب باندھا ہے جس میں غم۔ ڈر۔ خوف۔ دہشت سے متعلقہ مسائل کا جائزہ لینے کے بعد ایک دوسرا باب ان چیزوں کو دور کرنے والے نبوی طریقوں کے جائزہ پر ترتیب دیا ہے۔ محمد ابن ابوبکر نے خوف کو دور کرنے کے طریقوں کو ۱۵ مختلف عنوانات کے تحت مربوط کیا ہے۔ جن میں سے ہر طریقہ احادیث کی مدد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کے ارشادات گرامی پر عمل کرنے کے بعد پھر کسی کو تالیف خوف ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف کے مسائل کو قرآن مجید کے احکام کی روشنی میں ترتیب دے کر یہ اہم اصول مرتب کیا کہ اگر ایمان مضبوط اور یقین محکم ہو تو کوئی بھی غم یا فکر یا خوف نہ تو لاحق ہو سکتا ہے اور اگر اس کے آنے کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو اسے دور کرنے کے طریقے اتنے آسان ہیں کہ اس باب میں کسی اینالسٹ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ دنیا میں اسلام کے علاوہ اور مذاہب بھی ہیں اور ان میں سے ہر ایک سچائی کا دعوے دار ہے۔ مگر کسی بھی مذہب میں انسان کے کردار اور نفسیاتی مسائل کو حل کرنے کی ترکیب موجود نہیں

خطرات کو ٹالنے کے لیے بدھ اور ہندو مذاہب میں دہون، کہا جاتا ہے۔ جس میں کئی پنڈت کئی دن تک مقدس آگ میں اشلوک پڑھ کر خالص دیسی گھی ڈالتے ہیں۔ یہاں بات فرد کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتی اور اس پر اخراجات کسی کے بس کی بات نہیں ۱۹۴۲ء میں ایسے ایک ہون پر ۴ لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ اس کے مقابلے میں اسلام ہر شخص کو خوف سے نجات پانے کی ترکیب دے کر زندگی کو خوشگوار بنا دیتا ہے۔

احساسِ گناہ، تالیفِ گناہ

GUILT COMPLEX

نفسیاتی عوارض کے علاج کے سلسلہ میں تحلیل نفسی کے دوران اکثر معالج مریضوں کو بتاتے ہیں کہ تمہارے ذہن کی گہرائیوں میں احساس گناہ بھرا پڑا ہے اور بعض اوقات ان کی تشخیص ہوتی ہے کہ ان کے جملہ مسائل احساس گناہ سے پیدا ہونے والے مسائل کی وجہ سے ہیں بے خوابی سے لے کر اختلاج قلب اور ہسٹریا کے دوروں سے سر درد تک کو احساس گناہ کی وجہ سے بیان کیا جاتا ہے۔

غلطی تو ہر شخص سے ہو سکتی ہے ایک مشہور کہاوت ہے۔

انسان غلطی اور فروگذاشت کا پتلا ہے۔

لیکن معمولی سی غلطی کو ہر وقت یاد کرتے رہنا۔ اس سے گھبراہٹ۔ اضطراب پیدا کرنا بعد کے نفسیاتی مسائل کا باعث ہوتا ہے۔ ایک شخص گاڑی چلا رہا تھا اس نے غلط موڑ کاٹ لیا۔ مڑنے کے دوران اس نے ایک سائیکل سوار کو اپنی لپیٹ میں آتے دیکھا۔ اس نے اس وقت مہارت کا ثبوت دیا یا سائیکل سوار نے اپنی کوشش سے خود کو حادثہ سے بچا لیا۔ یہ واقعہ اس ڈرائیور کے لیے نصیحت کے لحاظ سے تو درست ہے کہ وہ آئندہ موڑ کاٹتے وقت رفتار کو کم کرنے کے ساتھ آگے پیچھے بھی دھیان رکھے۔ لیکن اس واقعہ کو سند بنا کر ہر وقت یہ سوچتا رہے کہ اگر وہ سائیکل سوار نیچے آجاتا تو پھر کیا ہوتا۔

ایسے لوگ کثرت سے دیکھے جاتے ہیں جو ایک معمولی واقعہ کے بعد اپنی ذات پر سے اعتماد کھو دیتے ہیں۔ لاہور کے دماغی امراض کے شفا خانے میں ایک مریض تھا۔ یہ شخص دن میں بیسویں مرتبہ ہاتھ دھوتا تھا۔ اگر کوئی قریب ہوتا تو

اسس کو بتاتا کہ ہاتھوں کو خون لگ گیا ہے اس لیے وہ دھو کر ا بھی آتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس شخص کے گھر میں کوئی مسافر رات بھر کے لیے مہمان ہوا۔ مسافر ہوٹل میں اس لیے نہ ٹھہرا کہ اس کے پاس کافی رقم تھی۔ اس نے گھر ٹھہرا کر رات کو اسے قتل کر کے مال ہتھیانے کا منصوبہ بنایا۔ رات کے اندھیرے میں جب یہ واردات کرنے باہر سے آیا تو اس نے چارپائی پر سونے والے کے سر کو گنداسہ مار کر کاٹ دیا۔ اب جو غور سے دیکھا تو مقتول مسافر نہیں بلکہ اس کا اپنا بیٹا تھا کیونکہ اس کے باہر جانے کے بعد بیٹے نے مسافر سے چارپائی تبدیل کر لی تھی۔

اپنے ہاتھوں پر بیٹے کا خون اور سر کٹی لاش دیکھ کر وہ پاگل ہو گیا۔ لوگوں نے اس واقعہ کو کئی کہانیوں بلکہ فلموں میں بھی مختلف شکلوں میں پیش کیا ہے۔ اسس میں صدمہ۔ خوف احساس گناہ کے علاوہ اور بھی کئی اسباب موجود ہیں جنھوں نے اسے پاگل کیا اسے ضمیر کی خلش بھی کہہ سکتے ہیں۔

ماہرین نفسیات نے احساس گناہ کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

در یہ ایک جذباتی کیفیت ہے جس میں ہمیشہ یہ احساس رہتا ہے کہ اس نے کسی اخلاقی قدر کو پامال کیا ہے۔ یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان نے اپنے اندر اپنے لیے یا اپنے یقین کے سلسلہ میں کوئی اخلاقی معیار قائم کر لیا ہو۔

مریض نے اپنے لیے معاشرہ یا مذہب کے لحاظ سے جن اخلاقی قدروں کو مرتب کیا ہے وہ چاہتا ہے کہ ان کی پیروی کرے۔ جب وہ ان میں سے کسی کو پامال کرتا ہے تو اسے بعد میں افسوس ہوتا ہے۔ یہ افسوس شعوری طور پر بھی ہوتا ہے۔ اور لاشعوری بھی۔ جس کے بعد ضمیر کی یہ خلش اس کے لیے اذیت کا مستقل سامان بن جاتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ احساس گناہ کو ہر وقت ذہن میں رکھ کر اسس پر لسور کے اپنے سے ذہین فرد کو جو اذیت دیتا ہے وہ اس کی اپنی خواہش ہوتی ہے۔ اسے نفسیات میں SELF PUNISHMENT

بھی کہہ سکتے ہیں۔

تحلیل نفسی والوں کے اسلوب کے مطابق اگر کوئی مریض بیمار ہونے پر اپنے لیے کسی مناسب علاج کا بندوبست نہ کرے یا دوائی خریدنے کے بعد اسے باقاعدگی سے استعمال نہ کرے۔ یا اس کے معالج نے اس کی بیماری کو بڑھانے والی جو چیزیں منع کی ہیں وہ ان کو ترک نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیماری کو طول دے کر اپنے آپ کو سزا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کا ذہن اسے بتاتا ہے کہ اس نے چونکہ فلاں فلاں گناہ کیا ہے اس لیے وہ سزا کا مستحق ہے۔ لہٰذا وہ بیماری کی طوالت کے ذریعہ اپنے آپ کو سزا دیتا ہے یا ذیابیطس (شکر کی بیماری) کا مریض ہونے کے باوجود میٹھی چائے پیتا ہے رات کو چاول کھاتا ہے اور جب اسے موت سے ڈر لگتا ہے تو انسولین کا ٹیکہ بھی لگوا لیتا ہے۔ بعض مریض مستند معالج سے صحیح علاج کروانے کی بجائے ادھر ادھر کی چیزوں پر بھروسہ کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ جیسے کہ انسولین کی بجائے لوکاٹ کے پتے وغیرہ ابال کر یہ توقع کی جائے کہ اس سے ان کی شوگر ختم ہو جائے گی۔ حالانکہ جب وہ ظاہر ہوگی تو پھر معاملات علاج کی حد سے گزر چکے ہوں گے۔

خود کو سزا دینے کی خواہش ایک نفسیاتی بیماری MASOCHISM بھی ہوتی ہے۔ اس بیماری کے مبتلا تکلیف سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ ابتدائی مدارج میں بیماریوں کی طوالت یا غلط علاج سے لاشعوری تسکین پاتے ہیں۔ مگر بیماری بڑھنے کے بعد وہ دوسروں سے مار کھا کر یا ان سے گالیاں وغیرہ کھا کر بھی اطمینان کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ماہرین میں اختلاف ہے بعض کی رائے ہے ایذا پسندی کی یہ کیفیت احساس گناہ کا نتیجہ ہوتی ہے اور بعض ان کو علیحدہ شکل دینا پسند کرتے ہیں مگر علامات کی نوعیت ایک ہی اصول پر ہوتی ہے کہ اذیت میں مبتلا رہ کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرے۔

گناہ اور کفارہ :

مختلف مذاہب، خدا اور اس کے جلال کے بارے میں عجیب و غریب باتیں منسوب ہیں

اکثر پادری حضرات بتاتے ہیں کہ خدا منصف ہے اور ہر حال میں انصاف کرتا ہے۔ اس لیے جب کوئی شخص گناہ کرتا اور اس کے روبرو اس کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو وہ منصف ہونے کی وجہ سے اسے سزا دینے پر مجبور ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ مہربان اور رحم دل ہے۔ لیکن معاف کرنا کسی بھی عدالت کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ بہر حال سزا دیتا ہے۔

ان عقائد کی وسعت یہاں تک ہوتی ہے کہ بقول ان کے خدا نے لوگوں کے گناہوں کی پاداشں میں اپنے بیٹے کو پھانسی دلوادی۔ جو لوگ ایسی تلقین کرتے ہیں وہ انجیل مقدس کی تعلیمات کے خلاف خداتعالےٰ کی رحم دلی، عنایات اور لطف وکرم سے بھی انکار کرتے ہیں۔

دوسری طرف ہندو مذہب اور بدھ مذہب میں بھی خدا کو کسی جابر اور ظالم حاکم کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ خدا کو منتقم مزاج، سخت گیر اور شتر کینہ قرار دینے کے بعد ہمیشہ اپنے گناہوں کی سزا کے منتظر رہتے ہیں۔

اگر ان میں کوئی گناہ کرلے تو پھر وہ احساس گناہ کی مستقل اذیت سے گذرتا رہتا ہے۔ چونکہ انسان غلطی اور خطاء کا پتلا ہے اور سہو ہو جانا ایک فطری بات ہے اس لیے وہ پے در پے گناہوں کی اذیت اور ان کے پرائیحشت میں پھنسے رہتے ہیں۔ وہ گناہوں کی تلافی میں ناکامی کے بعد یقین کرلیتے ہیں کہ بھگوان نے اگر ان کو اس دنیا میں پوری سزا نہ دی تو مرنے کے بعد ان کو کسی بری شکل میں پیدا کرے گا۔ یہ عین ممکن ہے کہ آج کا ایک اچھا بھلا کرم چند مرنے کے بعد کتے کی جون میں پیدا ہو۔

امرتسر کے قریب جنڈیالہ گورو کا ایک قصاب ذبح کرنے کے لیے بکرا لے جا رہا تھا کہ بکرا رسی تڑا کر بھاگ نکلا اور ایک ہندو مہاجن کے گھر میں گھس گیا۔ سوئے اتفاق سے مہاجن کا باپ کچھ مدت پہلے مرا تھا اور پنڈتوں نے اس کو بتایا تھا کہ ان کے والد صاحب آئندہ گائے، بھینس، بکرا یا خرگوش کی شکل میں پیدا ہوں گے۔

ان کے گھر جب بکرا گھسا تو بہوؤں نے گھونگھٹ نکال لیے کہ سسر جی آئے ہیں۔ قصائی بکرے کو باہر کھینچ رہا ہے تو گھر والے اسے اندر لے جا رہے ہیں کہ وہ ان کے والد صاحب ہیں۔ آخر میں جھگڑا ہزار روپے پر ختم ہوا جبکہ بکرے کی عام قیمت ۱۰۰ روپے تھی۔

بدھ راہب گناہوں کے کفارہ میں اپنے آپ کو عذاب دیتے ہیں۔ بھوکوں مرتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کے گناہوں کی بخشش کے لیے خودکشی تک کر لیتے ہیں۔ یعنی گناہ میں نے کیا ہے اور جان شاکیہ منی کی لی گئی۔ یہ عیسائیت ہی کے عقیدے کی کڑی ہے۔ معلوم نہیں کہ کس نے کس کو غلط راہ پر ڈالا۔ کیونکہ عوض میں صلیب دیا جانا عیسائی مذہب کے بھی خلاف ہے۔

خدا منصف ہے۔ وہ ہر حال میں انصاف کرتا ہے۔ چونکہ وہ منصف ہے اس لیے وہ گناہگاروں کو بہر حال سزا دے گا۔ اگر ہم یہ مفروضہ تسلیم بھی کر لیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ جو اپنے کو منصف کہتا ہے۔ زید کے گناہوں کی سزا میں بکر کو صلیب پر کیسے لٹکا سکتا ہے۔ گناہ میں نے کیا اور اس کے عوض سزائے موت یسوع مسیح کو ہو گئی۔ بدلے کی یہ سزا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں شاید ہوتی ہو۔ منصفی تو ہرگز نہیں۔

عیسائیت، بدھ اور ہندو مذہب میں خدا کی ذات کے بارے میں بدلہ لینے اور سزا کا یہ تصور لوگوں کے دلوں میں دہشت۔ احساس گناہ اور مستقل کی اذیت کا باعث ہوتا ہے۔
حضرت انس بن مالکؓ روایت فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کل بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون۔

(ابن ماجہ - ترمذی)

(ہر انسان خطا کا پتلا ہے۔ سب سے اچھے خطا کار وہ ہیں جو اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتے ہیں۔)

انسان خطا کا مجسمہ ہے وہ دنیا چھوڑ کر جنگل میں تنہا بھی رہے تو پھر بھی کسی نہ کسی غلطی یا گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت حال میں جب اسے یہ بتایا جائے کہ اس کی یہ

غلطی سزا کا باعث ہوگی تو وہ بے چارا زندگی بھر سہما ہوا اور احساس گناہ میں مبتلا ہو کر نت نئی مصیبتوں کا شکار ہوتا رہے گا

جہالتوں کے ان اندھیروں میں روشنی کی کرن مدینہ سے پھوٹی اور انہوں نے ایک ایسے خدا کا تصور دیا جو گناہوں کو معاف کرنے والا۔ مہربان ہی نہیں بلکہ اپنی صفات کے لحاظ سے۔ غفار، غفور۔ تواب۔ اور گناہوں پر پردہ ڈالنے والا۔ ستار ہے۔

اسلام اور احساس گناہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ذہن اور کردار کی بناوٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ واضح کر دیا کہ غلطی کرنا انسان کا خاصہ ہے۔ البتہ اسے احساس ہونا چاہیے کہ اس نے کوئی غلط کام کیا ہے اور وہ اس مرحلہ پر اگر ندامت کا اظہار کرے تو بات ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط تصورات کو دور کرتے ہوئے حقیقت کا اظہار ملاحظہ ہو۔

ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملتہ علی الذین من قبلنا، ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین (البقرۃ: ۲۸۶)

(اے ہمارے رب! ہمیں غلطی، بھول پر پکڑیں نہ لینا۔ اور ہمارے اوپر ذمہ داریوں کا وہ بوجھ نہ ڈالنا جیسا کہ ہم سے پہلی قوموں پر ڈالا گیا تھا اے ہمارے رب! ہم پر کوئی ایسا بوجھ (ذمہ داری) نہ ڈالنا جس کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہ ہو۔ ہماری خطاؤں پر درگزر فرما۔ ہمیں بخش دے اور ہمارے اوپر رحم کر کہ تو ہی ہمارا آقا ہے۔ اور منکر اقوام کے مقابلے میں ہماری مدد فرما)

قرآن مجید نے اپنی ابتدائی سورتوں میں یہ جامع دعا صرف بتائی ہی نہیں بلکہ ہمیں راستہ بھی دکھایا ہے کہ غلطی کرنا انسان کی عادت ہے اس لیے وہ خدا سے ملتمس رہے کہ اس کی غلطیاں گرفت کا باعث نہ ہوں۔ یہی نہیں بلکہ قرآن مجید ایسے نسخوں سے لبریز ہے جس سے گناہگاروں کو احساس گناہ سے نجات مل سکتی ہے صرف توبہ اور معافی کے ضمن میں ۸۷ آیات موجود ہیں جیسے کہ

فمن تاب من بعد ظلمہ و اصلح فان اللہ یتوب علیہ۔ (المائدۃ: ۳۹)

(جس نے اپنی زیادتیوں کے بعد گناہوں سے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے)

الا من تاب و اٰمن و عمل صالحاً فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون شیئاً۔ (مریم: ۶۰)

(جس نے توبہ کی۔ لوگ اس سے محفوظ رہے اور اس نے اچھے کام کیے وہ جنت میں داخل ہوگا اور اس پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔)

تقریباً یہی مضمون سورۃ طٰہٰ۔ الفرقان۔ القصص میں بیان ہوا۔ اسی مسئلہ پر پھر فرمایا۔

الا الذین تابوا من بعد ذٰلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم۔ (آل عمران: ۸۹)

(جس نے برے کاموں کے بعد توبہ کی۔ اپنے اعمال کو درست کر لیا۔ اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے)

اسی ارشاد گرامی کو سورۃ المجادلہ۔ المزمل۔ النساء۔ آل عمران۔ المائدہ۔ الاعراف التوبہ۔ النحل اور النور میں دہرایا گیا۔

فان تبتم فھو خیر لکم۔

(اگر تم توبہ کرلو تو یہ تمہارے لیے بہترین ہے)

وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ (البقرہ: ۱۲۸)

(اے اللہ! ہم کو اپنے گھر کی زیارت کا اسلوب سکھا اور ہماری گناہوں سے توبہ قبول فرما کہ تو توبہ کو قبول کرنے والا مہربان ہے)

یاایھا الذین اٰمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحًا۔ (التحریم: ۸)

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کرو۔ مگر یہ توبہ خلوص دل سے پائیدار ہونی چاہیے)۔

توبہ قبول ہوگی مگر۔

ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفرًا لن تقبل توبتھم۔ (آل عمران: ۹۰)

(جو لوگ ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہوئے اور اپنے کفر میں روز بروز اضافہ کیا۔ ان کی توبہ قبول نہ ہوگی)

حتیٰ اذا حضر احدکم الموت قال انی تبت الاٰن۔ (النساء: ۱۸)

(جب ان کا آخری وقت آتا ہے اور موت سامنے کھڑی ہوتی ہے تو وہ اس وقت توبہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں)۔

فرعون جب حضرت موسیٰؑ کے تعاقب میں دریائے نیل میں داخل ہوگیا اور دریا میں ڈوبنے لگا تو اس وقت یہ نعرہ لگایا۔

"میں ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آیا ہوں"

جب موت سامنے کھڑی تھی تو اس وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ اسے میسر نہ آسکا گناہ کے بعد توبہ کا مطلب ندامت کا احساس اور خدا کے سامنے یہ اعتراف ہے کہ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر۔
(ترمذی : ابن ماجۃ)
(اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ اس کے سانس کی غرغراہٹ موجود ہو)
انھوں نے توبہ کرنے کے لیے وقت کو اتنا کھلا چھوڑ دیا کہ جب تک اس کے سینہ سے سانس نکل رہا ہے اور سکرات الموت کی کیفیت میں حلق میں غرغراہٹ سنی جارہی ہے وہ توبہ کرسکتا ہے۔
حضرت ابوبکر صدیقؓ عام حالات میں توبہ کے عرصہ کے تعین میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔
توبہ کا دروازہ قیامت تک اس دن تک کے لیے کھلا رہے گا جس دن سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلے گا۔
(ابوداؤد، احمد، دارمی)
جب کوئی شخص غلط کام کرتا ہے تو اسے احساس گناہ یا جرم ہوتا ہے یہ احساس اسے پریشان کرتا رہتا ہے مگر اسلام اسے آسان بات بتاتا ہے کہ وہ گناہ کی خدا سے معافی مانگ لے کیونکہ وہ توبہ کو قبول کرنے والا غفار اور غفور ہے۔ وہ لوگوں کے اظہار ندامت کو پسند کرتا ہے۔
حضرت انس بن مالکؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی بخشش کی عام زندگی سے مثال دیتے ہوتے فرمایا۔
"اگر کسی شخص کی صحرا میں وہ اونٹنی گم ہو جائے جس پر اس کا سارا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں لدی ہوں اور وہ سایہ کے بغیر جنگل میں اسے تلاش کرنے میں پریشان رہا ہو اور وہ اونٹنی جب اسے مل جاتے تو بے پناہ خوشی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ کی درخواست سنکر اس طرح

خوش ہوتا ہے۔ بلکہ جب وہ گھبراہٹ میں الفاظ کو الٹ کر کہتا ہے کہ اے خدا میں تیرا مالک ہوں اور تو میرا بندہ ہے۔ تو وہ حفظ مراتب کے اس مغالطہ پر بھی خوش ہوتا ہے اس کی ندامت کو قبول کر کے اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (مسلم)

لغت میں توبہ کے لفظی معنی ندامت کے اظہار کے ساتھ آئندہ کے لیے محتاط ہونے کے ہیں۔ اس لیے اسلام نے نفسیاتی دباؤ سے نکالنے کے لیے نہ صرف توبہ کا طریقہ بتایا بلکہ ساتھ ہی یہ گارنٹی بھی دی کہ توبہ کرنے کے بعد گناہوں سے گھبرانے کا جواز باقی نہیں رہتا۔ ارشاد نبوی ہے۔

التائب من الذنب کمن لا ذنب له

(گناہ سے توبہ کرنے والا بالکل ایسا ہے کہ جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی بیان کرتے ہیں کہ گناہ کو بار بار وہی کرتے ہیں جو توبہ نہیں کرتے۔ کیونکہ توبہ کرنے والا شاذ ونادر اسی گناہ کو دہراتا ہے اسلام سے پہلے عالم اور راہب گناہگاروں کی توبہ خود وصول کرتے تھے اور خود ہی فیصلہ کر دیتے تھے کہ تیری توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کا ایک دلچسپ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سنایا۔ جسے حضرت ابوسعید الخدری رضی بیان کرتے ہیں۔

ایک شخص نے ۹۹ قتل کیے اور وہ اپنے جرائم پر نادم ہونے کے بعد ایک راہب کے پاس گیا۔ تاکہ وہ اس کے گناہوں کی معافی کی کوئی صورت تلاش کرے۔ راہب نے مطلقاً انکار کرتے ہوئے بتایا کہ اتنے شدید جرائم کے بعد معافی ناممکن ہے۔ اس پر اس شخص نے راہب کو بھی قتل کر کے ۱۰۰ پورے کر دیئے۔

اس نے لوگوں سے پوچھا کہ وہ توبہ کی کیا صورت اختیار کرے؟ اسے بتایا گیا کہ دور ایک گاؤں میں ایسا عالم رہتا ہے جو دین کی سمجھ رکھتا ہے۔

اور وہ اس کا مسئلہ یقیناً حل کردے گا۔ چنانچہ وہ اس بستی کی جانب چلا تو راستہ میں موت نے آلیا۔ چونکہ اسے آگے جانے کی خواہش تھی اس لیے جب اس کی جان نکل رہی تھی تو وہ آگے بڑھ کر گرا۔

اس کی روح کو قبضہ میں لینے کے لیے رحمت کے فرشتے بھی آتے اور جہنم کے ہرکارے بھی۔ دونوں کا اصرار تھا کہ یہ ہماری طرف کا آدمی ہے۔ بحث سے تنگ آ کر انہوں نے کسی کو منصف مقرر کیا جس نے فیصلہ کیا کہ فاصلہ ماپ لیا جائے۔

خدا تعالیٰ نے فاصلوں کو سمیٹ کر اس کی ندامت اور گناہوں سے توبہ کو پسند کیا اور اس طرح ماپنے پر یہ ثابت ہوا کہ وہ زیادہ مسافت طے کر چکا تھا لہٰذا جنت کا مستحق ہوا۔ (بخاری۔ مسلم)

اس شخص کے گناہوں کا انبار ختم کرنے میں اہم بات نیت کی قرار پائی۔ اس کی نیت اظہار ندامت اور آئندہ کی احتیاط کے ارادہ پر وہ بخش دیا گیا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدکار عورت کا واقعہ بیان کیا ہے۔ جس نے ایک پیاسے کتے کو اپنے جوتے کی مدد سے کنوئیں سے پانی نکال کر پلایا۔ خدا نے ایک جاندار پر رحم کرنے اور اس عمل کے لیے خلوص سے کوشش کرنے کو پسند کرتے ہوئے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے۔

حضرت نواس بن سمعان رضؓ دربار رسالت میں حاضر تھے اور ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ نیکی اور بدی کی حقیقت کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"نیکی حسن خلق ہے۔ بدی وہ ہے جو تیرے دل میں چبھے اور تو یہ پسند نہ کرے کہ تیری یہ بات دوسرے لوگوں کو معلوم ہو۔

(ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار واضح کیا ہے کہ تم جو کچھ کرتے ہو تمہیں اسی کا اجر ملتا ہے۔ اگر تم برے کام کرتے ہو تو ان کا برا اجر ملے گا جب کہ اچھے کاموں کا اچھا

عوض ملنا ایک یقینی امر ہے۔ لیکن وہ برا کرنے والوں کو بھی مطلع کرنے میں کنجوسی نہیں کرتا کہ وہ پھر بھی معاف کر دینے پر تیار ہے۔ بشرطیکہ تم احساس ندامت رکھتے ہو۔

احساس گناہ ایک جذباتی کیفیت ہے جو ان کاموں کو کرنے سے ہوتی ہے جو کہ رسماً رواجاً یا مذہباً ممنوع ہیں۔ مشہور ہے کہ امرود کھانے کے بعد پانی پینے سے ہیضہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ لیکن امرود کھا کر پانی پینے پر دو تین روز اس دہشت میں مبتلا ہوگا کہ اسے ہیضہ کسی وقت بھی ہو سکتا۔ اگر امرود ٹھیک سے دھلے ہوئے نہ تھے اور ان میں کیڑے موجود تھے تو ہیضہ ایسے امرود کھانے سے ہو سکتا ہے اور اس کی وصولی میں پانی کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے گندے امرود کھا کر اسہال میں مبتلا ہونے والا یہ یقین کرے گا کہ اوپر سے پانی پینا یقیناً نقصان دہ ہے۔

رسم و رواج میں جتنی چیزیں بری سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر بری نہیں ہوتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی زندگی کو آسان بنانے۔ جاہلیت کی رسموں کے بوجھ کو مٹانے میں اہم ترین کارنامے کیے ہیں۔ انہوں نے فرد کی زندگی کو خوشگوار بنانے اور اسے ذہنی الجھنوں اور مسائل سے نجات دلانے میں جو کچھ اور جتنا کیا ہے وہ نفسیات کے کسی عالم کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگا۔ بعض مقامات پر لوگوں کے ذہنوں سے احساس گناہ کے بوجھ کو اتارنے کے لیے اتنے آگے چلے جاتے ہیں کہ اکثر علما، دین الفاظ کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہوں نے ایک موٹی بات کہی کہ جس نے خدا کو ایک مانا اور جانا اور اس پر وہ آخری وقت تک عمل پیرا رہا اس کو جنت ضرور ملے گا۔ جس نے خلوص دل سے خدا کی وحدت کا اعتراف کیا اور کلمہ شہادت اس کی موت سے پہلے آخری کلمہ تھا تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اسلام سکھانے والوں کو انہوں نے اصول تبلیغ یہ فرمایا۔

لوگوں کو ڈراؤ نہیں بلکہ خوشخبری سناؤ۔

جس شخص نے اسلام کو دل سے قبول کر لیا اور اس کے تمام اصولوں پر یقین کر لیا گناہ یا اس سے پیدا ہونے والی تالیف اس کے لیے کبھی کسی پریشانی کا باعث نہیں ہو سکتے

کیونکہ وہ جب بھی سیدھا راستہ سیکھ لے گا یا اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کرے گا۔ اس کی سابقہ لغزشیں۔ گمراہیاں اور گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ احساس گناہ کا اس سے بہتر علاج تحلیل نفسی کے کسی ماہر نے آج تک نہ کیا ہے اور نہ کر سکے گا۔

احساس کمتری

INFERIORITY COMPLEX

کچھ لوگ اپنے آپ کو دوسروں سے کمتر سمجھتے ہیں۔ جہاں تک شکل صورت کا تعلق ہے وہ اللہ کی دین ہے۔ صورت بنانے والے نے کسی کی شکل بری نہیں بناتی اور اگر باہر کی سمت جلد کی رنگت وغیرہ میں کوئی ایسی رنگینی ہے جو کسی کو اچھی نہیں لگتی تو اس کے جلد جسمانی ساخت پر قوم، ملک اور علاقہ کے لوگوں کی نہیں بلکہ بعض اعضاء میں مردوں اور عورتوں میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود اپنی شکل کے بارے میں بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں کمتر ہیں کمتری کا یہ احساس صرف شکل وصورت تک محدود نہیں رہتا بلکہ لباس۔ گفتگو۔ علمیت۔ امارت وغیرہ کی سمت بھی جا نکلتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کی ناک چپٹی ہو وہ بھینگا ہو یا اس کی ایک ٹانگ چھوٹی ہو تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر وقت دوسروں سے موازنہ کر کے لوگوں کے سامنے جانے سے ڈرتا رہے مشہور انگریز شاعر لارڈ بائیرن لنگڑا تھا۔ مگر اس نے اپنی علمیت اور شاعری سے لوگوں کو ایسا گرویدہ بنایا کہ اس زمانے کی انگریز عورتیں لنگڑا کر چلنے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ مشہور موجد ایڈیسن بہرا تھا۔ مصر کے مشہور عالم، مصنف اور وزیر سید طہٰ حسین نابینا تھے مگر ان کی بیوی پیرس کی حسین ترین عورت تھی۔

قدرت اگر کسی میں کوئی کمی پیدا کرتی ہے تو دوسری صورتوں میں اس کی تلافی بھی کر دیتی ہے جیسے کہ اندھوں کی سماعت اور حافظہ دوسروں سے بہتر ہوتا ہے بدصورت عورتیں زیادہ وفادار اور خدمت گذار ہوتی ہیں۔ بعض اوقات کمتری کا احساس ہونے پر انسان میں جدوجہد کا شوق پیدا کرتا ہے۔ جیسے کہ مصر کے دیہات کا ایک غریب نابینا لڑکا۔ بھیک

مانگنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اس نے چیلنج قبول کر کے اپنی معذوری کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے اپنے کو مصر کا وزیر تعلیم بنا لیا۔ برطانوی ہوا باز ولیم بیڈر کی دونوں ٹانگیں حادثہ میں کٹ گئیں۔ فضائیہ سے فارغ کر دیا گیا۔ مگر اس نے اپنی مصنوعی ٹانگوں کی مدد سے دوسری جنگ عظیم کے بہترین لڑاکا پائلٹ کا اعزاز حاصل کیا۔ ولیم بیڈر نے اتنی شہرت پائی کہ ہالی وڈ والوں نے اس کی زندگی پر، اس کی زندگی ہی میں، فلم بنائی۔ ہیلن کیلر اگر اندھی ہے تو اس نے دنیا بھر میں لیکچر کیے اور ساندھوں کی عالمی بہتری میں شاندار خدمات انجام دیں۔ کراچی کی نابینا ڈاکٹر فاطمہ دنیا گھوم آئی ہیں اور ان کو ہر جگہ عزت و احترام سے نوازا گیا ان لوگوں نے اپنی معذوریوں کو احساس کمتری کا باعث نہ بننے دیا بلکہ یہ کمزوریاں اور معذوریاں ان کی ترقی کے لیے مہمیز کا کام دیتی رہیں۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

جن لوگوں نے یہ اسلوب اپنایا وہ آگے بڑھ گئے۔ ورنہ اگر کسی کی ناک چپٹی ہے یا آنکھیں چھوٹی ہیں یا چہرے پر تل ہیں تو اس سے دوسروں کو کیا؟ اگر کوئی شخص ان مجبوریوں کو سامنے رکھ کر محفلوں سے کنی کترانا شروع کر دے تو کمتری کا احساس COMPLEX بن جائے گا۔ وہ ذہن میں گھر کر کے۔ زندگی کو اجیرن بنا دے گا۔

احساس کمتری کا نفسیات میں سب سے پہلے تذکرہ ایڈلر نے کیا اور اس نے اپنی کتاب INDIVIDUAL PSYCHOLOGY میں اسے ایسی صورت میں بیان کیا کہ اس کے رفیق اور مرشد فرائیڈ کو پسند نہ آیا۔ ایڈلر کا خیال ہے کہ کمتری کا احساس بچپن میں پیدا ہوتا ہے۔ بچہ جب یہ دیکھتا ہے کہ آس پاس میں اس کے تمام بزرگ اپنی مرضی سے پھرتے کھاتے پیتے اور کتنے بڑے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر وہ اس سے بہتر طاقت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہر شخص اسے چھوٹا کہہ کر کمتری کا احساس دلاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر کوئی اس کی خوبصورتی کا دوسروں سے موازنہ کرنے کی بیوقوفی کرے یا اس کو یہ بتانے کی کوشش کی

جاتی رہے کہ فلاں کا بچہ اس سے خوبصورت ہے تو کمتری کا احساس پیدا ہونے لگتا ہے ورنہ بچپن کے تجربات دیرپا نہیں ہوتے کیونکہ وہ پڑھ لکھ کر خود بڑا آدمی بننے کی کوشش میں مصروف ہوتا ہے۔ ایسے میں والدین اپنی بے جا محبت اور دلچسپی کی وجہ سے اس میں احساس کمتری پیدا کر سکتے ہیں۔

ایک لڑکا کچھ دبلا پتلا تھا ایک ڈاکٹر نے اسے معدہ کا مریض قرار دیا اور وہ ۱۲ سال پیٹ کی دوائیں کھاتا رہا۔ اس طویل اور بے کار علاج کے دوران اسے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل کود۔ دوڑ۔ کرکٹ وغیرہ پر ہی نہیں بلکہ ڈرل کرنے پر بھی پابندی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احساس کمتری نے عمر بھر اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔

بچوں میں حد سے زیادہ دلچسپی ان کو دوسروں کا دست نگر بنا دیتی ہے۔ ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان میں کوئی چیز دوسروں سے کم ہے اور جب وہ عملی زندگی میں آتے ہیں تو ان کے پاس خود کھڑے ہونے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔

بڑھنے کے دوران بچے کے سامنے کچھ مقاصد آجاتے ہیں وہ کسی کو اپنا ہیرو قرار دے کر اس کی نقل کی کوشش کرتا ہے وہ کوئی کھلاڑی۔ ایکٹر یا سیاسی لیڈر ہو سکتا ہے ایک مشہور عالم دین کالج کے زمانے میں آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر مولانا ابوالکلام آزاد کے انداز خطابت کی نقل کرتے تھے۔ ایک مشہور لیڈر مولانا آزاد کی مقفیٰ عبارتوں کو یاد کر کے تقریروں میں ان کو استعمال کرنے کی مشق کرتے رہتے تھے۔ کسی کو اپنا محور بنا لینا اچھی بات ہے۔ اس سے آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے لیکن یہ محور بھی کسی اچھی قسم کا ہو۔ امریکی اور بھارتی فلموں میں مار دھاڑ دیکھ کر بچے خوش ہوتے ہیں ان کا بھی جی چاہتا ہے کہ ایک وقت میں دس دس بدمعاشوں کی پٹائی کریں۔ اس لیے ان کی زندگی کا مقصد مار پیٹ میں مہارت بھی بن سکتا ہے۔

بچے کی عمر اور تعلیم میں ترقی کے دوران اگر رکاوٹ آجائے تو وہ حوصلہ ہار سکتا ہے اس کو احساس ہونے لگتا ہے کہ اس کے جسمانی اعضا دوسروں سے کمتر ہیں۔ اس کا قد وہ

نہیں جو محمد علی باکسر کا ہے اور ساری ورزشوں کے باوجود اس کی چھاتی چالیس انچ سے نہیں بڑھ سکی۔ وہ تھکا تھکا رہنے لگتا ہے۔ اس میں کچھ کر گذرنے کی امنگ کم ہو کر سستی نمودار ہو جاتی ہے۔ وہ بیزار اور چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ اس مرحلہ پر اس کے ذہن میں معاشرے سے بغاوت اور دوسروں سے حسد پیدا ہوتا ہے۔ وہ کسی امیر یا صحت مند کو دیکھ کر چڑتا ہے وہ کیوں امیر یا صحت مند نہیں؟ دوسروں کو سامنے رکھنا اچھی بات ہے اس سے آگے بڑھنے میں مدد ملتی ہے لیکن کسی سے حسد محسوس کرنا یقیناً اچھی بات نہیں اردو میں حسد کے ساتھ رشک بھی ہے۔ حسد سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ فلاں کو گھر کیوں ملا۔؟ وہ اس گھر کے غرق ہو جانے یا جل جانے کی خبر کا ہمیشہ منتظر ہوتا ہے۔ کسی نے کار خریدی ہے تو وہ جل کر کباب ہو سکتا ہے۔ خواتین میں یہ عادت زیادہ ہوتی ہے۔ رشک سے مراد دوسرے کی ترقی یا امارت کا برا لگنا نہیں بلکہ ایک نیک خواہش ہے۔ اگر اس نے کار خریدی ہے تو میں بھی خرید سکوں۔ اسلام وہ پہلا دستورِ حیات ہے جس نے حسد کو مکروہ اور گھٹیا انداز فکر قرار دیا۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

من شر حاسد اذا حسد (الفلق۔۵)

(میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں حسد کرنے والوں کے حسد سے)

مراد یہ ہے کہ جب کوئی حسد کرتا ہے تو سب سے پہلے وہ بدنیت اور آپ کا برا چاہنے والا ہوتا ہے۔ اور اسی برائی میں آگے جا کر کسی نقصان کا باعث بھی ہو سکتا ہے اس لیے ایسے حوادث سے بچنے کے لیے اللہ سے پناہ مانگنا ایک اچھی ترکیب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کی دو مختلف روایات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حسد دو صورتوں میں جائز ہے ایک تو وہ اگر کوئی شخص قرآن کا حافظ ہے یا اس کا علم رکھتا اور پھر اس علم کو لوگوں میں عام کرتا ہے تو اس سے حسد کرنا چاہیئے اور دوسرے اس دولت مند سے جو اپنے مال کو خلق خدا کی بہتری کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ (بخاری۔ مسلم۔ ترمذی)

یہاں پر حسد کو رشک کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔
حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں حسد کو بیماری قرار دیا گیا جب کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
تم لوگ حسد سے بچتے رہو۔ کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے
جس طرح آگ لکڑیوں یا گھاس کو کھا جاتی ہے۔

(ابو داؤد)

اسی برائی کی اہمیت میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
بغض مت کرو۔ حسد مت کرو اور مت پیٹھ پھیرو ایک دوسرے کی طرف سے

(مالک)

احساس کمتری کے مریضوں کی اہم علامت کنج تنہائی کی تلاش ہے۔ یہ مریض دوسروں سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ اگر انہیں کوئی تقریر کرنی پڑ جائے تو لوگوں سے گھبرانے کی وجہ سے بھول جاتے ہیں منہ سے الفاظ نہیں نکلتے اور جس مضمون پر انہیں اچھا بھلا عبور ہوتا ہے وہی سٹیج پر آکر بھول جاتا ہے۔ ان کو دوسروں سے تعلق توڑنے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ دوسروں کے سامنے خود کو کمتر سمجھتے ہیں اور یہ نصیحت ان کے لیے بڑی خوبیاں رکھتی ہے۔
جب کوئی شخص اپنے سے دوسروں کو مقابلہ شروع کرتا ہے تو وہ اپنی خامیوں کو جان کر دوسروں سے حسد کرتا اور ان کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا خیال ہوتا ہے کہ وہ ان کو ذلیل کر کے خود ترقی کر جائے گا۔ کمتری کے انگریزی مترادف INERIORITY کے لفظی معانی کسی سے کم یا نیچے ہیں اور یہی بیماری کی اصل کیفیت ہوتی ہے۔
دوسروں سے مقابلہ کرنے پر کوئی جب اپنے کو کمتر قرار دیتا ہے تو اس کی بدقسمتی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس میں جدوجہد کی توانائی اور استقامت کا فقدان ہوتا ہے اس لیے وہ دوسروں کو ذلیل کر کے اپنے اندر پیچ و تاب کھاتا رہتا ہے۔

ایسے اشخاص میں عام طور پر بزدلی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ دوسروں کو براہ راست ذلیل کرنے کی قدرت تو نہیں رکھتا البتہ افواہیں پھیلا کر یا گمنام خطوط یا دوسرے گھٹیا طریقوں سے اپنی ذہنی تسکین کر لیتا ہے۔ ان کوششوں سے وہ اپنے کو برتر بنانے کے جذبہ کی تسکین کرتا رہتا ہے۔ پھر وہ موقع محل جانے بغیر اپنی تعریف کرکے SUPERIORITY COMPLEX میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ایڈلر احساس کمتری کی تعریف میں کہتا ہے کہ یہ وہ جذبہ ہے جو جسم میں چھپے ہوتے خدشات، غم اور دہشت کے اثرات سے پیدا ہوتا ہے جس کی بنیاد کسی جسمانی یا عضوی کمزوری پر قائم ہو کر اپنی ذات کے بارے میں منفی سوچ پر قائم ہو کر بھونڈے تاثر پر ختم ہوتی ہے جب اپنے آپ کو ہمیشہ اندر اندر کوسنا اور غلطیاں نکالنا ٹھہرا تو لڑ... نارمل نہیں ہو سکتی۔

احساس برتری سے اپنی کمتری کے ردعمل میں کچھ لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ اپنی اس کمتری کو کم کرنے کے لیے دوسروں سے برتر ہو جائیں یہ خواہش عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے جس کا مظاہرہ دعوتوں اور شادیوں کی مجالس میں کیا جاتا ہے۔ غریب اور متوسط گھرانے کی خواتین اپنے احساس کمتری کی وجہ سے اگر لباس اور آرائش میں مبالغہ کریں تو ان کی ذہنی کیفیات کے لحاظ سے ایسا کرنا ان کی مجبوری ہوتا ہے۔ کم حیثیت کی عورتوں کو دعوتوں کے دوران اپنی کمتری کا احساس زیادہ ہونے لگتا ہے۔ اور ایسا کرنے میں امیر گھرانوں کی عورتیں ان کو مجبور کرتی ہیں۔ کیونکہ اگر وہ سج دھج سے نہ جائیں تو ان کی قدر کم ہوتی ہے یا بیٹی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ جہاں سے بھی ممکن ہو۔ بہترین لباس اور زیور حاصل کرتی ہیں۔

عقیقہ کی ایک دعوت میں ایک خاتون دوسری کو بتا رہی تھی کہ فلاں عورت کو ذرا دیکھنا اس نے وہی جوڑا پہنا ہے جو اس نے پچھلے مہینے فلاں شادی پر پہنا تھا۔

اب اس خاتون کی ذہنی اپیچ ملاحظہ ہو کہ اس نے شادی میں شامل ہونے والی تمام

عورتوں کے لباس اور زیور اپنے کمپوٹر میں درج کر رکھے تھے۔ امیر گھرانوں کی عورتیں لباس کے اوپر زیور کے اوپر زیور بلکہ جسم کی ہر وہ جگہ جہاں سونے کی کوئی چیز چڑھائی جا سکتی ہے اور نظر آتی ہو خالی نہیں رہتی۔

ایک متوسط گھرانے کی خاتون کے بھتیجے کی شادی تھی اس نے مہندی۔ شادی اور ولیمہ کی تین تقریبوں کے لیے چار چار جوڑے اپنے اور اپنی بچیوں کے لیے تیار کروائے۔ پھر اپنے لیے چالیس ہزار کی طلائی چوڑیاں بنوائیں۔

اب ان سے پوچھیے کہ چوڑیوں کے چالیس ہزار کہاں سے آئے؟ انہوں نے کمیٹیاں ڈال ڈال کر یہ رقم اس لیے جمع کی تھی کہ اپنی رہائش کے لیے کوئی جگہ خرید کر سکیں لیکن شادی میں خود نمائی رہائش کے بندوبست سے ضروری قرار پائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی بیٹی فاطمہ کے پاس سونے کا ہار دیکھا تو انہوں نے اسے پسند نہ فرمایا۔ حالانکہ عورتوں کے لیے سونا پہننے کی اجازت ہے۔ ان کو اعتراض یہ تھا کہ یہ نام و نمود کے اظہار کا بھونڈا طریقہ ہے۔

ایک لڑکی کو خسرہ نکلا اور بخار کے بعد سر کے بال گر گئے۔ اس کی شادی ہونے والی تھی۔ اس کے لواحقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس کے سر پر مصنوعی بال لگانے کی اجازت چاہی۔ آپ نے نہ صرف کہ انکار کر دیا بلکہ سر میں اضافی بال اور چوٹی لگانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔

ان کو اعتراض یہ تھا کہ وہ چیز جو تم میں نہیں وہ دوسروں کو دھوکہ دینے کے لیے کیوں کی جائے اگر لڑکی کے بال خسرہ سے گر گئے ہیں تو وہ جس طرح اور جیسی ہے سسرال والے دیکھ کر قبول کریں۔ ایسی لڑکی کے سر پر وگ لگا کر شادی کے عمل سے تو گذارا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بناوٹ چند دن میں واضح ہو جائے گی اور عین ممکن ہے کہ اسے وہاں سے ذلیل کر کے نکالا جائے۔

حال ہی میں ایک لڑکی کے رشتہ کی بات چل رہی تھی لڑکی پڑھی لکھی اور نہایت ہی خوبصورت تھی۔ لڑکے کی پھوپھی نے بڑی رازداری کے ساتھ ان کی ایک بزرگ کو بیچ میں ڈال کر التماس کی کہ لڑکی کے بالوں میں اضافی بال لگا کر بال اور لمبے کر دیے جائیں اور پھر لڑکے کو دکھادی جائے۔ لمبے بال لڑکے کی کمزوری ہے۔ اگر وہ نہ ہوئے تو وہ شادی سے انکار کر دے گا۔ اس خاتون نے نہایت ہی عقل مندی سے یہ رشتہ مسترد کروادیا۔

یہی وہ مسئلہ ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ موجود ہے کہ وہ چیز جو آپ کے پاس نہیں وہ آپ دوسروں کو کیوں دکھا کر اپنے احساس کمتری کا مظاہرہ کرتے ہیں جیب لاہور میں نیا نیا ٹیلی ویژن آیا تو جس کے گھر میں یہ سیٹ ہوا وہاں محلے بھر کی عورتیں اور بچے جمع ہو کر پروگرام دیکھنے آنے لگے۔ گھر والے اپنی برتری کے مظاہرہ میں ان پر حکم چلاتے۔ کسی کو آگے کسی کو پیچھے اور کسی کی آمد پر قدغن لگاتے۔ بچوں کے ماں باپ روز کی ذلت کا عذر بنا کر ٹیلی ویژن خریدنے کے لیے نکلے۔ اتنی رقم ہر کسی کے پاس نہ تھی۔ لوگوں نے ہوشربا سود پر پٹھانوں سے قرض لیے ہمارے جاننے والی ایک خاتون نے اپنی طلائی چوڑیاں بیچ کر رنگین ٹی وی لے لیا۔ یہ ٹیلی ویژن کی افادیت کا اعتراف نہ تھا بلکہ اپنی کمتری کا ردعمل تھا۔ جب ہمسایوں کے گھر میں روز ڈرامے لگتے ہیں تو ہمارے گھر میں یہ رونق کیوں نہ ہو؟ اپنے احساس کمتری کی تسکین کے لیے لوگوں سے مقابلہ کیجیے کون کون سے جتن کرتے رہیں گے؟ اس دوڑ میں شامل ہونے کی بجائے اگر یہ بات سمجھ لی جائے کہ صبر بھی ایک اچھی چیز ہے دوسروں کا منہ لال دیکھ کر اپنا پیٹ پیٹ کر لال کر لینا حماقت ہے۔

بڑے آدمیوں کو دیکھ کر یا ان سے بات کرتے وقت جھکنا۔ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا احساس کمتری کی علامت ہے۔ ۱۹۱۹ء میں جب جنرل ڈائر نے امرتسر میں مارشل لا لگایا تو شہریوں کو ذلیل کرنے اور ان کو کمتری کا احساس دلانے کے لیے حکم جاری کیا گیا تھا۔

جب بھی انگریز یا میم کسی بازار سے گذرے، ہر دوکاندار ان کے احترام

میں کھڑا ہو جاتے۔

جب کوئی فوجی افسر بازار سے گذرے ہر شخص کھڑا ہو کر اس کو فوجی سلوٹ کرے۔

اسلام ایسی تمام بیہودگیوں کو توڑنے والا رہا ہے۔

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ملکی معاملے میں گفتگو کرنے آیا دورانِ گفتگو اس کا جسم پھڑک رہا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ یہ شخص ان سے ہیبت زدہ ہے۔ اس کو حوصلہ دیتے ہوئے فرمایا۔

"میں کوئی بادشاہ نہیں۔ جس سے تم ڈرو۔ میں تو ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو قدید کھایا کرتی تھی"

(عرب کے غریب لوگ گوشت کو سکھا کر قدید کے نام سے کھایا کرتے تھے)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے مجلس میں تشریف لاتے تھے تو ان کے احترام میں اٹھنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ کوئی شخص دوسروں کو پھاند کر آگے جانے کا حق نہیں رکھتا۔ وہ انسانی وقار کو اہمیت دیتے تھے ان کی مجلس میں جتنی اہمیت کسی قبیلہ کے سردار کو ملتی تھی اتنی ہی ایک عام کسان کو بھی میسر تھی۔

عہدِ فاروقی میں ایک قبیلے کا سردار طواف کر رہا تھا ایک غریب مسلمان کا پاؤں اس کی لٹکتی ہوئی چادر پر پڑ گیا اس شخص نے غریب کو زد و کوب کیا۔ وہ فریاد لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ ابتدائی تحقیقات پر جرم ثابت ہوا اور اسے سزا ملنے والی تھی کہ اسلامی سلطنت کی حدود سے بھاگ گیا۔

بڑھ چڑھ کر لباس پہننا۔ ہر وقت اپنے میک اپ پر توجہ دیتے رہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنی نوک پلک درست رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ آپ کے احساسِ کمتری کا اظہار

ہے ورنہ منہ ہاتھ دھو کر بال سنوارنے کے بعد صاف ستھرا لباس کسی کی شخصیت کو نکھارنے کے لیے کافی ہے۔ جو لوگ اپنے دن کا آدھا حصّہ آئینہ کے سامنے گذارتے ہیں وہ احساس کمتری کے ساتھ نرگسیت میں مبتلا ہے۔ نفسیات میں نرگسیت کو NARCISSM کہتے ہیں جس سے مراد خود پسندی بھی لی جاتی ہے۔ ایک مولوی صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ باہر نکلنے سے پہلے باقاعدہ سنگھار میز پر بیٹھ کر میک اپ کرتے اور بالوں کے چمکانے والے لوشن کے علاوہ ہلکے رنگ کی لپ اسٹک بھی استعمال کرتے ہیں۔

ایڈلر نے احساس کمتری کا مسئلہ پیش کرنے کے بعد اس سے نجات پانے کی جو صورتیں بتلائی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

اپنی ذات کا دوسروں سے موازنہ کرنا چھوڑ دیا جائے۔

بڑا بننے کی اہمیت اور ضرورت ترک کر دیں۔

کمزوری سے ہی طاقت پیدا کی جائے۔ اپنی کمزوری کو دور کریں اور اگر ایسا ممکن ہے تو اپنی صلاحیت کو کسی اور طرف مرکوز کر کے اسے بہتر بنائیں۔

اپنی غلطیوں کا جائزہ لے کر ان کو درست کیا جائے۔

اپنے آپ کو نامکمل سمجھنا چھوڑ دے۔

یہ ہدایات نامکمل ہونے کی وجہ سے مفید نہیں۔ کیونکہ اس نے کمتری کا احساس پیدا کرنے والے کئی اسباب چھوڑ دیئے اور وہ باتیں چھوڑ دیں جن سے فی الواقع مرض ٹھیک ہو سکتا تھا۔ اس لیے ایک عام مریض کو تحلیل نفسی کے مختلف مدارج سے گذرنا ہوتا ہے معالج اس کی علامات کی توضیحات کرتے ہیں۔ اسے متعدد کمپلکس سکھائے جاتے ہیں۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ اس کے ذہن میں بے پناہ جارحیت بھری ہے۔ اسے احساس گناہ پریشان کر رہا ہے اور وہ احساس کمتری کا شکار ہے۔

نفسیات کی ساری تعلیم پا کر وہ اکثر اوقات مریض ہی رہتا ہے یا اس کی علامات دوسری شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

احساس کمتری اور اسلام:

قرآن نے سب سے پہلی بات یہ واضح کی کہ شکل وصورت کے اعتبار سے ہر شخص کی شکل نہایت عمدہ اور تخلیق کا شاہکار ہے۔

وصورکم فاحسن صورکم، والیہ المصیر۔
(تغابن - ۳)

(خدا نے تمہاری صورتیں تخلیق کے بہترین شاہکار کے طور بناتی ہیں اور تم نے آخر اسی کی طرف لوٹ جاتا ہے)

یہ آیت جسمانی نقائص۔کمزوریوں کے سبب کی جناب متوجہ کرتی ہے اور قبائلی برتری اور ذات پات کی نوعیت کے بارے میں فرمایا۔

انا خلقنٰکم من ذکر وانثٰی، وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا، ان اکرمکم عند اللہ اتقکم، ان اللہ علیم خبیر۔ (الحجرات - ۱۳)

(ہم نے تمہیں بطور مرد اور عورت بنایا ہے۔ اور تمہیں رنگ اور نسل سے قبائل کی صورت اس لیے بنایا ہے تاکہ پہچان سکو۔ لیکن اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے متقی ہو۔ اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا اور علم رکھنے والا ہے)

قبائل اور قومیں اس لیے بنائی گئی ہیں تاکہ ایک دوسرے کو پہچاننے اور پکارنے میں آسانی رہے مگر اس کا ہرگز یہ مطلب کہ کوئی قبیلہ اپنے کو دوسروں سے برتر سمجھے۔

یاایھاالذین آمنوا لایسخر قوم من قوم عسٰی ان یکونوا خیرًا منھم، ولا نساء من نساء عسٰی ان یکن خیرًا منھن، ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب۔ بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم

يتب، فاولٰئك هم الظّٰلمون۔

(الحجرات: ۱۱)

(اے مومنو۔ جان رکھو کہ کوئی قوم کسی دوسری کو اپنے سے کمتر سمجھ کر اس پر حقارت کا اظہار نہ کرے۔ کوئی عورت دوسری کو اپنے سے حقیر جان کر اس کی بے عزتی نہ کرے۔ کوئی شخص دوسرے کا برا نام چھیڑ کے طور نہ رکھے۔ بدترین کام ایمان لانے کے بعد اس قسم کی برائیاں ہیں اور اگر تم ان سے توبہ نہیں کرو گے تو یہ جان رکھو کہ تم ظالم قرار پاؤ گے)۔

لوگوں کو حقیر جاننے کے لیے کسی مسلمان کے پاس کوئی جواز نہیں یا اس کے برعکس کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خود کو دوسروں سے حقیر جانے۔ اللہ کے نزدیک بدصورت مسلمان اس خوبصورت مسلمان سے بہتر ہے جس کے اعمال اچھے نہ ہوں۔ اس اہم نکتہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کے سب سے بڑے چارٹر یعنی خطبہ حجۃ الوداع میں واضح فرمایا۔

کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ انسانوں میں برتری اچھے کاموں سے ہوتی ہے۔ اور یہ یاد رکھو کہ تم سب آدم کی اولاد میں سے ہو جب کہ آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔

انہوں نے ان ارشادات پر خود عمل کر کے دکھایا۔ بنو ہاشم کی متعدد خواتین کو حبشی غلاموں کے نکاح میں دیا۔ حالانکہ عربوں کے دماغ میں نسلی برتری کا فتور شدت سے پایا جاتا تھا۔

اسلام نے احساس کمتری کے اہم سبب حسد کو برا سمجھا اور یہاں تک کہ قرآن مجید نے یہ نصیحت کی کہ حسد کرنے والوں سے خدا کی پناہ طلب کیا کرو۔

ومن شر حاسد اذا حسد۔ (الفلق: ۵)

جو لوگ اپنی دولت پر اتراتے ہیں یا عہدہ پانے کے بعد اکڑ دکھاتے ہیں ان کے احساس برتری کو غیر اہم قرار دیا ہے۔ ایسے لوگوں کی جب کرسی چھل جاتی ہے یا ان کی

ہوتے ہیں دولت میں کوئی کمی آتی ہے تو ان کو۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید فرماتے ہیں۔

لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتٰکم و اللہ

لا یحب کل مختال فخور۔ (الحدید، ۲۳)

(جو مل گیا اس پر اتراؤ نہیں اور جو نہیں ملا اس پر پچھتاؤ نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالٰے کسی اکڑنے والے مغرور کو پسند نہیں کرتا)

قرآن مجید نے ذہنی مسائل اور پریشانیوں کے بارے میں یہ لاجواب ترکیب بتائی ہے کہ جو چلا گیا اس پہ پچھتاؤ نہیں اور جو آ گیا اس پر اتراؤ نہیں۔ یہ مختصر سا اصول اگر ذہن میں بسا لیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی مصیبت اعصاب پر سوار نہ ہو سکے گی۔

ہر شخص کا نام چونکہ دن میں بار بار پکارا جاتا ہے، اس لیے وہ نام بھی اس کی شخصیت کی وجہ بن جاتا ہے نام اگر تکبر کا آئینہ دار ہو یا اس سے کسی کمزوری کا اظہار ہوتا ہے تو اسلام اس کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ روایت فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغیر الاسم القبیح۔

(ترمذی)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برے ناموں کو تبدیل کر دیا کرتے تھے)۔

احادیث میں ایسے متعدد ناموں کا ذکر ملتا ہے جو تبدیل کر دیے گئے جیسے کہ برہ کا نام زینب رکھا گیا اور عاصیہ کو جمیلہ بنا دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ والمھاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ۔

(مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھوں اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں مہاجر وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی ممنوعات کو ترک کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کو ذاتی وقار عطا فرمایا۔ ان کو اچھے کاموں۔ حسن اخلاق اور دوسری کی خدمت کی بنا پر برتری کا مستحق قرار دیا۔ ہر مسلمان کے لیے اپنے بھائیوں کے ساتھ مروت، خلوص اور محبت کو ضروری قرار دیا۔ ایک دوسرے پر جاسوسی کرنے خط کھول کر پڑھنے اور پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے کو ممنوع کیا۔ دوستوں میں تکبر خود پسندی کو دور کیا۔ ہر شخص کو یہ حوصلہ دیا کہ وہ اپنی غلطیاں مانے اور یوں کر کے دوسروں کو بھی ایسے اچھے کاموں کا حوصلہ دلائے جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا خدا اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ بیمار کی عیادت کرنے اور جنازوں میں شرکت کے ساتھ دعوت قبول کرنے سے ہر شخص برابر ہو جاتے گا۔ اسلام قبول کرنے۔ اس کو دل میں بسا لینے کے بعد کسی مسلمان کے پاس احساس کمتری میں مبتلا ہونے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔

کج لباسی

TRANSVESTISM

۱۹۲۵ء میں جرمنی کے ڈاکٹر میگنس ہرشفیلڈ نے ایک عجیب بیماری کا پہلی مرتبہ مشاہدہ کیا جسے اس نے اپنے تحقیقی مقالات میں کج لباسی کے نام سے موسوم کیا۔ اس بیماری کا واضح علامات کے مطابق مرد کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ زنانہ لباس پہنے اور اپنے آپ کی زیبائش کے لحاظ سے ایک عورت کی صورت پیش کرے۔ ابتدا میں وہ اکیلے میں نسوانی سامان آرائش استعمال کر کے خود کو آئینہ میں دیکھ کر ایک طرح کی لذت حاصل کرتا ہے۔ پھر وہ اپنے نسوانی میک اپ میں آہستہ آہستہ اضافہ کرلیتا ہے کہ وہ ہر طرح سے ایک بنی ٹھنی عورت معلوم ہوتا ہے۔ جب اسے اس عمل سے جنسی تسکین بھی میسر آنے لگتی ہے تو وہ چھپ کر عورت بننے کی بجائے کبھی کبھار لوگوں میں بھی ایسے حلیئے میں جانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر ابتدا نسوانی استعاروں سے ہوتی ہے۔ جیسے کہ بال لمبے کر کے ان میں نسوانی انداز میں گھونگھر ڈلوا لیئے۔ حالانکہ لمبے بال قبائلی تہذیب میں بہادروں کی نشانی ہوتے تھے۔ لیکن ان کو مروجہ نسوانی انداز سے تراش کر ایسی شکل دے دی جاتی ہے کہ پیچھے سے عورت ہی معلوم ہوتے ہیں۔

میگنس ہرشفیلڈ کے اس انکشاف کے بعد انگلستان اور امریکہ کے ماہرین نفسیات نے اس موضوع پر مزید مشاہدات کر کے اس کیفیت کو محض کجروی کے طور پر نہیں بلکہ ایک باقاعدہ نفسیاتی بیماری قرار دیا ہے۔ جس میں مریض ہر وقت تفکرات کا شکار ہوتا ہے۔ طبیعت گری گری اور لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے سے کترانا عام ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو احساس کمتری کی بگڑی ہوئی شکل بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ایسے مرد جب عورت

کے لباس میں ہوں تو ان میں حد درجہ کی خود اعتمادی پائی جاتی ہے۔ عام حالات میں ایک اچھا بھلا مرد جب اپنے کو عورت بنا لے تو اس میں کچھ ندامت اور شرم کا اظہار ضروری ہے لیکن وہ بار بار عورت بننے کی خواہش پر عمل کرتا ہے اس وقت اپنے اندر خود اعتمادی محسوس کرتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس میں احساس گناہ اور شرمندگی بہر حال ہوتے ہیں اگر یہ چیزیں ظاہری طور پر محسوس نہ ہوں تو یہ دب کر تالیف کی صورت بھی اختیار کر لیتے ہیں۔

پہلے یہ خیال تھا کہ بڑی عمر کے کنوارے یا جسمانی کمزوریوں کے مریض تنہائی میں اپنے آپ کو عورت سمجھ کر تسکین کی شاید کوئی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن شماریاتی جائزوں سے معلوم ہوا کہ ایسے کچھ لباسوں میں ۶۶ فی صدی شادی شدہ تھے اور اکثر کی شادی شدہ زندگی خوشگوار تھی۔ نفسیاتی طور پر یہ موڈ کے بندے ہوتے ہیں۔ کبھی پل میں تولہ اور کبھی ماشہ۔ دوسری طرف دوسروں پر ہر بات میں انحصار کرتے ہیں۔ تنہائی پسندی میں سارا دن سوچ سوچ کر اپنے احساس گناہ میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

من وعن یہی کیفیات خواتین میں بھی ہوتی ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عام طور پر معاشرے میں عورتیں کمزور سمجھی جاتی ہیں اس لیے وہ گردش روزگار کی مجبوریوں کے باعث اپنے آپ کو مردانہ شکل دے کر زیادہ محفوظ سمجھ سکتی ہیں۔ مجبوریاں بالکل علیحدہ مسئلہ ہے یہ وہ خواتین ہیں جو معاشی مجبوریوں سے قطع نظر اپنے کو مرد بنانا پسند کرتی ہیں۔

> ایک خاتون نے پہلے زنانہ کاٹ کر کرتوں کی بجائے مردانہ گول گلے کی پٹی والی قمیص شروع کی۔ کھڑی شلوار کے ساتھ قمیص مردانہ کالروں والی ہو گئی۔ پھر بال کٹے اور ایڑی کے بغیر سلیم شاہی جوتا پہنا۔
>
> ان کی گفتگو میں اچھا خاصا مردانہ پن تھا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو متوسط ہی بیان کرتی تھیں۔

نفسیات میں ایک بیماری اشیاء پسندی یا FETICHISM کے نام سے موجود ہے۔ جس کے مریض کسی ایک چیز کو پسند کرتے ہیں۔ پھر وہ چیز جس جگہ بھی جس کسی کے

پاس نظر آئے وہ شخص ان کو پسند آجاتا ہے۔ جیسے کہ پنسل نما ایڑی اگر کسی صاحب کو پسند آگئی تو ان کی پسند کے پنسل ایڑی والے جوتے جس کسی عورت نے پہنے ہوں ان کو اس عورت سے وابستگی محسوس ہوگی۔ اور اس میں اس عورت کا خوبصورت ہونا بھی ضروری نہیں۔

کج لباسی اور اشیاء پسندی دو مختلف چیزیں ہیں۔ ماہرین نفسیات کی رائے میں اگر کوئی شخص زرق برق چیزیں پسند کرتا ہے اور کبھی ان کو پہن بھی لیتا ہے تو یہ کج لباسی نہیں۔ کیونکہ اس کیفیت کے شکار اپنے آپ کو جنس مخالف کی مکمل شکل دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہندوستان میں پہلوانی سے تعلق رکھنے والے لوگ ابتدا میں بنارسی کام والے ریشمی صافے باندھتے تھے۔ پھر بوسکی کی قمیض اور اسی کا تہ بند شروع ہوا اور اب موسیقی کے شعبہ سے تعلق رکھنے والے فنکار ہر قسم کے زنانہ کپڑے۔ کامدانی کے صافے اور بروکیڈ کے واسکوٹ بڑے اہتمام سے پہنتے ہیں۔ ہندو مذہب کی ایک علامت گلے میں دھاگہ پہننا ہے جسے وہ "جینو" کہتے ہیں۔ امیر ہندو جینو کے ساتھ سونے کی زنجیر پہنتے ہیں۔ اب تقریباً ہر نوجوان پاکستانی لڑکے کے گلے میں سونے کی زنجیر ہوتی ہے جس کے ساتھ کنگھی یا پھول پتی وغیرہ کے ڈیزائن اضافہ میں ہوتے ہیں۔

مردوں کے لیے ریشمی کپڑے۔ گلے میں سونے کی زنجیریں غیر مسلموں کی بھونڈی نقل کے ساتھ ساتھ ذہنی پسماندگی کا نتیجہ ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ نے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑا دائیں ہاتھ میں لیا اور سونا بائیں ہاتھ میں اور فرمایا۔

"یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔"

(ترمذی، ابوداؤد)

جب کہ اسی موضوع پر النسائی نے ابوموسیٰ سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ امت محمدیہ کے مردوں پر سونا اور ریشمی لباس کا پہننا حرام کردیا گیا ہے۔

ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن میں عورتوں کے لیے بھی سونے کی زیادہ مقدار کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا خاص طور پر حضرت فاطمہ الزہرا رضؓ کے پاس ایک طلائی ہار دیکھ کر ان کو خوشی نہ ہوئی اس کی وجہ شاید نمائش کی حوصلہ فزائی کے ساتھ مال کی گردش کا مسئلہ بھی ہو۔ کیونکہ سونے کی شکل میں بہت سی قومی دولت ایک جگہ بند ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے اسلام نے زیورات پر زکوۃ بھی لگائی ہے۔

جرمن ڈاکٹروں نے مردوں اور عورتوں میں ہم جنسیت کے مطالعہ میں معلوم کیا ہے کہ ان کے غدودی نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ جس سے ان کی جسمانی ساخت بدل جاتی ہے۔ مردوں کے خون میں نسوانی ہارمون زیادہ تعداد میں ملتے ہیں جو کہ اچھی بات نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات سے منع کرتے ہیں یا کسی عمل کو نامناسب قرار دیتے ہیں تو اس حکم کے پیچھے صحت۔ صفائی اور نفسیات کے کئی فوائد وابستہ ہوتے ہیں جب کہ ابتدا میں ہم ان فوائد سے آگاہ نہیں ہوتے۔ جیسے کہ کتا اگر کسی برتن میں منہ ڈالے تو اسے سات مرتبہ دھویا جائے۔ جن میں ایک مرتبہ مٹی سے ہو۔ اسی حکم کو جب قرآن مجید کے ایک ارشاد کے ساتھ پڑھا جائے جس کے مطابق اس جانور کا گوشت حرام ہے جس کو کسی درندے نے پھاڑنے کی کوشش کی ہو۔ اب یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کتے اور دوسرے درندوں کے منہ میں کوئی ایسی چیز ہے جو کسی تندرست انسان کی غذا میں شامل ہو تو اسے بیمار کر سکتی ہے یہ بات ساتویں صدی عیسوی کے لوگوں کو تو معلوم نہ ہوگی مگر ہم آج اس کی وجہ جانتے ہیں کہ درندوں کے تھوک میں باولے پن کے جراثیم ہوتے ہیں۔

ریشمی کپڑے اور سونا پہننے والے مرد زیادہ طور پر منفرد نظر آنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ خود کو نمایاں کرنے کی یہ خواہش احساس گناہ کے ساتھ احساس کمتری کا مظاہرہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس سے منع کیا تو اس کی مصلحت اور وجہ سے بھی ہو گی۔

ابن ابی ملیکہ نے حضرت عائشہ رضؓ سے ان عورتوں کے بارے میں دریافت کیا جو

مردانہ شکل کے جوتے پہنتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ایسی عورتوں پر جو لباس اور عادات میں مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ (ابوداؤد)

کچھ لباس کسی عورت کے لیے پتلون پہننے یا کسی مرد کے لیے بنارسی کا دوپٹہ اوڑھنے کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک اچھے بھلے شخص کی ذات اور کردار کا مسئلہ ہے۔ جب کسی مرد میں زنانہ اشیاء زیبائش کے استعمال کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کے پس منظر میں کئی نفسیاتی عوارض پنہاں ہوتے ہیں۔ جب اسے شیشہ بہار جیٹ کی قمیص پہن کر زیادہ اطمینان یا خود اعتمادی محسوس نہیں ہونے لگتی ہے۔ تو اس کا یہ عمل متعدد ذہنی عوارض کی ابتدا بننے کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت کو ختم کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ سوچنے اور سمجھنے کی آسان سی بات ہے کہ میں اگر کوئی مردانہ لباس پہن لوں تو اس سے اسلام کا کیا بگڑے گا۔ یا اسلام کو کیا پڑی ہے کہ میرے لباس کے بارے میں خواہ مخواہ کی قدغن لگائے۔ اور اگر حقیقت کی تلاش میں جائیں تو اسلام کی ہر ہدایت اور ہر حکم ہمارے فائدے کے لیے ہے۔ اسلام ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا ایک ماننے والا دوہری شخصیت کا شکار ہو کر نفسیاتی عوارض میں مبتلا ہو اور اس طرح ہم اپنے ایک نہایت اچھے کارکن یا ساتھی کو عملی زندگی میں بے کار بنا دیں۔

لکھنؤ میں جان صاحب نام کے ایک شاعر ہوا کرتے تھے جو اشعار میں اپنا تخلص "بی جان" کی شکل میں بیان کرتے تھے۔ مشاعروں میں وہ زنانہ لباس کے ساتھ زیوروں سے آراستہ ہو کر آتے تھے اور اپنی نسوانی نظموں پر داد پاتے تھے۔ بطور شاعر یہ بالکل بے کار تھے۔ مگر اپنی پوچ شاعری کو نسوانی اداؤں اور لہجہ سے ایک انفرادیت دے کر اپنے لیے شہرت کا سامان کر گئے اور ورنہ بطور مرد کسی مشاعرے میں دوسرے مردوں کی طرح آتے تو ان کا کوئی ایک شعر بھی داد نہ پاتا۔ "نظریہ ضرورت" کے اس استعمال کی مصلحت کے ساتھ ساتھ ان کی بود و باش کردار یا زندگی ایک تندرست انسان کی زندگی نہ تھی۔ ذہنی عوارض کی ابتدائی علامات کے بعد آخر میں پاگل ہو گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام سکھانے میں ہمیشہ مسلمانوں کے لیے ایک لمبی اور صحت مند زندگی گذارنے کا مقصد بھی سامنے رکھا۔ ذہنی تندرستی کے بقائے سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس مرد پر لعنت فرمائی جو عورتوں کا سا لباس پہنے اور ہر اس عورت پر لعنت فرمائی جو مردوں کا سا لباس پہنے۔ (ابو داؤد)

میگنس ہرشفیلڈ کو کج لباسی کے نقصانات کا اندازہ بیسویں صدی میں ہوا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس خلفشار سے تیرہ سو سال پہلے آگاہ تھے۔ اور انہوں نے برائی کو پھیلنے یا نقصان کرنے سے پہلے اس کی ابتدائی حالت میں روکنے کی ترکیب کرتے ہوئے مردوں کے لیے زنانہ انداز زندگی یا عورتوں کے لیے مردانہ اطوار اختیار کرنے کی عادت کو پہلے ہی مرحلہ میں روک کر ان کی شخصیت کو نفسیاتی عوارض سے بچایا اور فیصلہ اب آپ کر لیں کہ علم نفسیات کا حقیقی عالم کون تھا؟۔

خواب

INTERPRETATION OF DREAMS

ہر شخص سوتے میں خواب دیکھتا ہے۔ اب یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ خواب انسانوں کے علاوہ جانوروں کو بھی آتے ہیں جن میں گلے۔ بھینس، کتا، بلی شامل ہیں۔ بلکہ بعض ماہرین کو پرندوں میں بھی خواب دیکھنے کا یقین ہو رہا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان جب سوتا ہے تو اس کا جسم ڈھیلا پڑ جاتا ہے لیکن جب خواب آنے لگتا ہے تو بند آنکھیں تیزی سے گھومنے لگتی ہیں۔ دماغ میں کہربائی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جن کو آلات کی مدد سے ریکارڈ کیا جا سکتا ہے۔ حلق میں پائے جانے والا زبان کے پچھلے حصہ کے عضلات میں حرکات پیدا ہوتی ہیں سانس تیزی سے چلتا ہے اور دل میں معمولی اختلاج محسوس ہوتا ہے۔ فرانسیسی ماہرین کہتے ہیں کہ آٹھ گھنٹے روزانہ کی نیند میں ڈیڑھ گھنٹہ خوابوں کا ہوتا ہے۔

خواب ایک مسلسل کہانی ہوتی ہے جس میں مختلف مناظر، واقعات وغیرہ دماغ کے پردے پر فلم کی صورت چلتے ہیں۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو دماغی امراض یا LSD کا نشہ کرنے والوں کو دن میں بھی محسوس ہوتی ہے۔ اسے ہوائی قلعے بنانا بھی کہہ سکتے ہیں مگر خواب اپنی مرضی سے نہیں آتے بلکہ کسی شخص کو ہوش و حواس میں کسی خاص قسم کی کہانی کی طرف متوجہ کر کے یہ تلقین کی جائے کہ اس کا لبِ لباب وہ خواب میں دیکھے تو ایسا ممکن نہ تھا۔ البتہ اسے بے ہوش کر کے یا ہپناٹزم کے دوران اگر اس قسم کا مشورہ دیا جائے تو اس دوران دیا گیا مشورہ کارآمد ہو سکتا ہے۔ خواب ایک مکمل کہانی ہوتی ہے۔ جس طرح کہانی کے چلنے کا ایک عرصہ ہوتا ہے اسی طرح خواب کی لمبائی بھی اس کہانی کی مناسبت سے ہوتی ہے۔

ایک ڈاکٹر کے دانت میں تکلیف تھی۔ اس کا دانت بے ہوش کر کے نکالا گیا۔

بے ہوش کرنے۔ دانت نکالنے اور پھر سے ہوش میں آنے کا پورا عرصہ ایک منٹ سے بھی کم عرصہ پر محیط تھا۔ کیونکہ جب دانت نکالا گیا اور ابھی وہ پھینکا نہیں گیا تھا کہ اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے دانت کا بغور مشاہدہ کیا لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جو کہ درد کے نہ تھے۔

ان ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ وہ بے ہوشی کے دوران ایک لمبا چوڑا خواب دیکھتے رہے جس کا نامکمل خلاصہ انہوں نے پانچ منٹ میں بیان کیا۔ اسی کہانی میں ان کا اپنا کردار کسی دردناک شکل میں تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے آنسو بہتے رہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ بے ہوشی کے ایک منٹ کے مختصر عرصہ میں انہوں نے اتنا لمبا خواب کیسے دیکھ لیا؟

ان کے بیان اور علم خواب سے واقفیت کے پیش نظر یہ بات اطمینان سے کہی جا سکتی ہے کہ خواب کی تفصیلات قدرتی طور پر ایسی مختصر کر دی جاتی ہیں کہ ہم جسے پوری رات کا خواب سمجھ رہے ہیں حقیقت میں ادھ گھنٹہ میں مکمل ہوا ہے۔

ڈاکٹروں نے آنکھوں اور عضلات کی حرکات کے مشاہدات سے خواب کا پتہ چلانے کی جو کوشش کی ہے اس کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جب کسی شخص کو ایسی کیفیت میں دیکھا گیا تو اسے جگا دیا گیا۔ ۲۷ میں سے ۲۰ اشخاص نے بتایا کہ وہ خواب دیکھ رہے تھے جب کہ ساکت آنکھوں اور نارمل تنفس کی رفتار کے دوران ۲۳ افراد کو جگایا گیا تو ان میں سے صرف ۴ نے خواب بیان کرنے میں زیادہ واضح تھے

جن لوگوں کو سانس چلنے اور آنکھیں گھلتے جگایا گیا وہ اپنے خواب بیان کرنے میں زیادہ واضح تھے۔ اس کے مقابلے میں آنکھیں ساکت ہونے کے بعد جگا کر جب خوابوں کا پوچھا گیا تو لوگوں کو ان کو یاد کرنے میں مشکل پڑی بلکہ اکثر وہ حصہ بھول چکا تھا۔

علم الاعضاء اور دماغ کے ڈاکٹروں نے مشاہدہ کیا ہے کہ سو جانے کے ۹۰ منٹ بعد آنکھوں میں حرکات شروع ہوتی ہیں اور یہ عمل تقریباً ۱۰ منٹ جاری رہتا ہے پھر ہر ۹۰ منٹ کے بعد اسی قسم کے واقعات پیش آتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ نیند کے آخر تک چلتا رہتا ہے۔ شیر خوار بچوں کی نیند کا نصف حصہ اس طرح خواب دیکھنے میں صرف ہوتا ہے

جب کہ عمر کے ساتھ یہ عرصہ کم ہوتے ہوتے ۶۰ سال کی عمر میں یہ ۲۰ فیصدی کے قریب رہ جاتا ہے۔

خواب کی اکثر باتیں گنجلک ہوتی ہیں۔ ان سے براہ راست مطلب نکالنا مشکل ہوتا ہے اس لیے خواب کے بارے میں گفتگو علی الصبح کی جائے ورنہ اس کا اکثر حصہ بھول جاتا ہے تحلیل نفسی کے ماہرین اپنے مریضوں پر زور دیتے ہیں کہ جیسے ہی ان کی نیند ٹوٹے اسے لکھ لیا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تعبیر خواب کرتے تو ان کی اس عادت کے بارے میں حضرت سمرۃ بن جندب رضی روایت کرتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پوچھتے کہ تم میں سے کسی نے گزشتہ رات کوئی خواب دیکھا ہے؟

(بخاری ، مسلم)

علی الصبح لوگوں کو خواب بیان کرنے پر آمادہ کرنے میں ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ ان کو دن بھر کی پریشانی سے نجات دلا کر تعبیر خواب کا علم سکھایا جائے۔

تعبیر خواب کے پرانے طریقے :

کینیڈا میں دریائے ہڈسن کے پار بسنے والے اسکیمو یہ یقین رکھتے تھے کہ نیند کے دوران سونے والا جب خواب دیکھتا ہے تو اس غرض کے لیے اس کی روح جسم سے نکل کر خواب کی وادی میں چلی جاتی ہے۔ اور وہاں جا کر خواب دیکھتی ہے۔ اگر اسے اس عرصہ میں جگا دیا جائے تو عین ممکن ہے کہ روح اسی خواب کی وادی میں راستہ بھول کر بھٹک جائے اور وہ فرد روح کے بغیر ہو کر مر جائے۔ اسی طرح وادی نوران کے لوگ بھی سوتے کو جگانا بہت برا جانتے تھے۔ انڈونیشیا کے جنوبی جزائر میں اگر کوئی خواب دیکھے کہ اس کی بیوی آوارہ ہے تو اگلے روز اپنے سسر کو مطلع کرتا تھا تاکہ وہ اپنی بدچلن بیٹی کو لے جائے۔

افریقی قبائل میں خواب کے واقعات کو حقیقت تصور کیا جاتا ہے۔ ایک شخص نے

اپنے عمر بھر کے دوست سے اس لیے ناطہ توڑ لیا کہ خواب میں اسے وہ بدخواہ نظر آیا۔ جنگل کی ایک مہم کے دوران ایک کارکن نے خواب میں دیکھا کہ سیاح اس سے خطرناک دریا کے بہاؤ کے خلاف کشتی چلانے کا کہہ رہے ہیں۔ اس نے لوگوں کے منانے کے باوجود ایسے بے مروت لوگوں کے ہمراہ آگے جانے سے انکار کر دیا۔

پیراگوئے کے ایک جنگلی نے خواب میں دیکھا کہ گاؤں کے پادری نے اس کو مارنے کے لیے پستول نکالا ہے۔ وہ اگلے روز گیا اور ایسے حادثہ سے قبل پادری کو ہلاک کر دیا۔

کچھ قبائل میں خیال کیا جاتا تھا کہ نامکمل خواب کو مکمل کرنا یا اسی طرح عمل کرنا ان کی فوری ذمہ داری ہے۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے ۹ ساتھیوں کے ہمراہ منجمد دریا میں کودا اور برف کے نیچے سے گزرتے ہوئے تھوڑے فاصلہ پر سوراخ بنا کر یہ سب باہر آگئے اس نے اپنا خواب ۱۰ افراد کو سنایا اور وہ تعمیل خواب کے سلسلہ میں اس کے ساتھ خوشی خوشی منجمد دریا میں کود گئے۔ باہر نکلنے میں ایک ساتھی ہلاک ہو گیا۔

کردستان میں جو چیز خواب میں ملتی نظر آئے وہ جاگنے کے بعد حاصل کرنا حق بن جاتا ہے۔ جیسے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ کسی رئیس نے اس کو ایک بوری گندم دی تو وہ اور اس کا قبیلہ ہر حال میں اس رئیس سے گندم کی بوری لے کر آئیں گے۔ یہ مسئلہ اس وقت زیادہ خراب ہو جاتا تھا جب کوئی یہ دعویٰ کر دے کہ اس نے فلاں لڑکی کو اپنی جانب ملتفت پایا۔

قدیم مذہبی عقائد:

چیسٹر بیٹی نے دو ہزار سال قبل مسیح میں مصری بادشاہوں کے خوابوں کا مجموعہ شائع کیا یونانی شاعر ہومر نے اپنی مشہور کتاب "ایلیاڈ" میں اگامیمنون کے پاس خواب میں دیوتا زیوس کا پیغامبر آیا کرتا تھا جو اسے مستقبل کی خبریں دیتا تھا اور آئندہ کے لائحہ عمل کے لیے راہبری دیتا تھا۔

ہندو دھرم کے ویدوں میں سے "اتھروید" میں ایک باب خواب کی ماہیت اور

ان کی تعبیروں کے بارے میں ملتا ہے۔ اور یہ کتاب جسے الہامی کہا جاتا ہے تقریباً پانچ سو سال قبل مسیح میں آتی ہوئی بیان کی جاتی ہے۔ قدیم بابل کے کھنڈرات میں سے نینوا کے شہر سے کھدائی کے دوران ایسی تختیاں ملی ہیں جن میں خوابوں کی تعبیریں لکھی تھیں۔ تعبیر خواب کے سلسلہ میں قدیم ترین کتاب RITICA ہے۔ جسے ایک یونانی فلسفی DALDIANUS نے دوسری صدی عیسوی میں لکھا اور ریلوروپ کے دیمی، جوئے باز اور رئیس کے رسیا اس سے زائچے نکالتے ہیں۔ ان کی دانست میں خواب کی اعلیٰ ترین قسم وہ ہے جس میں خواب ہاتھی دانت کی محراب سے نکل کر آتے ہیں۔ گھٹیا قسم کے خواب جانوروں کے سینگوں سے بنتے ہوئے دروازہ کے راستے آتے ہیں اور ان سے آئندہ زندگی کے بارے میں پیشنگوئیاں کی جاسکتی ہیں۔

مشرق وسطیٰ کے لوگ خوابوں سے بیماریوں کے علاج، سفر اور قسمت کے حال کا زائچہ نکالتے تھے۔ ان کی تعبیروں سے مریضوں کے علاج کا طریقہ، قربانی اور شفا کے لیے صحیح دیوتا کی تلاش کا راستہ نکالا جاتا تھا۔ یونان میں ۶۰۰ ایسے مندر موجود تھے جہاں بیمار اپنی صحت کے لیے مناجات کے لیے آتے تھے اور وہاں کے پروہت خوابوں کی مدد سے ان کے لیے علاج کی ترکیب نکالتے تھے۔ مندروں کے اندر اور باہر دیوتاؤں کے بت اور شفا کے دوسرے ذرائع نصب کیے جاتے تھے اور خوابوں کی مدد سے ان میں سے مفید کا پتہ چلایا جاتا تھا۔

اب تک خیال کیا جاتا رہا ہے کہ فرائیڈ وہ پہلا شخص تھا جس نے خوابوں کو روزمرہ کی زندگی کا پرتو قرار دیا۔ حالانکہ ۴۰۰ سال قبل مسیح میں ارسطو نے لکھا۔

"بیرونی چیزیں اور ان کے اثرات جسم کے اندر جا کر رک جاتے ہیں نیند کے دوران جسمانی حسیات کمزور پڑ جاتی ہیں۔ تاکہ خوابوں کے واقعات گنجلک شکل میں پیدا ہوتے رہیں۔"

ارسطو نے تعبیر خواب پر ایک کتاب PARVA NATURALIA لکھی اور یہ کتاب بھی اس مسئلہ پر اہم اور مفید کتاب تصور کی جاتی ہے۔ اتفاق سے علم الاخلاق پر آج بھی ارسطو ہی کی

کتاب سب سے مستند سمجھی جاتی ہے۔ ارسطو نے کوشش کی کہ خوابوں کو روزمرہ کی زندگی کا ردعمل قرار دے مگر لوگ اس پر یقین کو تیار نہ تھے۔ اور مشہور رومی سیاستدان سسرو نے ۷۵ قبل مسیح میں کتاب لکھی جس میں خوابوں کو روحانیت کا پرتو قرار دیا اور ثابت کیا کہ انسانوں کے اعمال مستقبل اور قدرت کی طرف سے انعام اور سزا خواب میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دوسری کوشش فرانسیسی ڈاکٹر الفریڈ مورے نے ۱۸۵۰ء میں ۳۰۰۰ خوابوں کے تفصیلی جائزے کے بعد شائع کی۔ جس میں خوابوں کو روزمرہ کے واقعات کا ردعمل قرار دیتا ہے اور بیان کرتا ہے۔

"میں ایک روز خواب میں دیکھتا ہوں کہ مجھے تحریک آزادی کے خلاف کام کرنے کے جرم میں انقلاب فرانس کے دوران ایک ٹریبونل کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے مجھے سزائے موت دی۔ جب انہوں نے مجھے ٹکٹکی میں باندھا اور چھرا اوپر سے گرنے والا تھا کہ میں فی الواقعی چارپائی سے گر پڑا کیونکہ اس کی پائنتی ٹوٹ گئی تھی اور میری گردن پر چوٹ آئی۔

کئی مشہور ادیب ایسے ہیں جو اپنی تخلیقات کو الہامی رنگ دے کر عجیب وغریب توضیحات پیش کرتے ہیں۔ جیسے کہ مشہور برطانوی شاعر کولرج کہتا ہے کہ میری مشہور نظم "قبلائی خان" خواب میں ملنے والے اشاروں سے ترتیب پائی۔

سلائی کی مشین کا موجد کہتا ہے کہ مجھے سوئی بنانے کی سمجھ ایک خواب سے آئی جس میں لوگ مجھے ایسے نیزوں سے مار رہے تھے جن کے آگے سوراخ تھا اور اس میں رسی پروئی ہوئی تھی۔ جب وہ مجھے نیزا مارتے تو میرے جسم میں اس رسی سے ایک طرح کی سلائی ہوتی جاتی۔ جس سے مجھے مشین کی سوئی کے سوراخ اور اس سے استفادہ کا طریقہ سمجھ آ گیا۔

ایک جرمن کیمسٹ کا دعویٰ ہے کہ اس نے ایک سانپ کو خواب میں دیکھا جو اپنی دم پر ہشت پہلو شکل میں کھڑا ہو کر میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس سے مجھے BENZENE کی ساخت کا نقشہ سمجھ آگیا۔ نوبل پرائز حاصل کرنے والے جرمن ڈاکٹر لیوی کا خیال ہے

کہ مینڈک کی ٹانگ کے اعصاب پراس کے تجربات کی بنیاد ایک خواب سے میسر آئی۔

یہ تمام اصحاب علوم وفنون میں کارہائے نمایاں پر شہرت رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے تحقیقی کام اور اس کی لگن ہر وقت ان کے اعصاب پر سوار تھی۔ یہ دن رات اپنے کام کے علاوہ کچھ بھی نہ سوچتے تھے۔ ان کی یہی سوچ نیند میں بھی ان کے ساتھ رہتی اور جب لاشعور پر سے کنٹرول کم ہوتا تو ان کے مسائل مختلف شکلوں میں نظر آتے اور وہ ان شکلوں سے اپنے لیے کوئی راستہ نکال لیتے۔ جدید نفسیات ان کے مشاہدات کے لیے اس قسم کی توضیحات پیش کرسکتی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی تعلیمات کے مطابق خدا تعالیٰ جس پر مہربانی کرنا پسند کرتا ہے اسے خواب میں کسی مشکل کا حل بتا دیتا ہے اور اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ خدا اپنے نبیوں کو وحی کے ذریعہ مطلع کرتا رہتا ہے اور اچھے خواب بھی نبوت کی اس تخصیص کا حصہ ہیں۔

ڈراؤنے خواب:

اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی بچے نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا وہ اس کی دہشت سے چیخیں مارنے لگا۔ اٹھا تو پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ چہرے سے گھبراہٹ عیاں ہوتی ہے۔ اسے PAVUR NOCTURNUS کہتے ہیں۔

ایسے خواب کے بعد بچہ جب جاگتا ہے تو عام طور پر خواب کی ایک ادھ بات کے علاوہ اسے اور کچھ یاد نہیں ہوتا۔ یہ تکلیف عام طور پر ۳ سے ۷ سال کے عمروں کے بچوں کی کل تعداد میں سے ۳ فیصدی کو ہوتی ہے۔ جب کہ ان میں سے ۱۰ فیصدی ایسے ہوتے ہیں جن کی عمریں ۱۲ سے ۱۴ سال کے درمیان ہوتی ہیں۔ ایسی دہشت کے بارے میں اکثر ماہرین کا خیال ہے کہ بچے نے ڈراؤنا خواب ہرگز نہیں دیکھا بلکہ بعض بیرونی وجوہات کی بنا پر اسے جب فوری طور پر بیدار ہونا پڑا تو اس عمل کے اضطراری اثرات اس کے لیے دہشت اور گھبراہٹ کا باعث ہوتے۔

ڈراؤنے خوابوں کے بارے میں اوٹ پٹانگ توضیحات کے مقابلے میں اسلام نے تعبیر خواب اور خوابوں کے بارے میں جو معقول تعلیمات دی ہیں ان کے مطابق برے اور ڈراؤنے خواب شیطان کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اچھے اور برے خوابوں کے بارے میں حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوقتادہؓ کی دو مختلف روایات میں آیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہے۔ اور اس خواب کو کسی سے بیان نہ کرے شیطان کے شر سے اللہ سے پناہ مانگے۔ اس کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔

(بخاری)

یہ ایک حقیقت ہے کہ بچے ہی نہیں بڑے بھی بعض خوابوں سے دہشت زدہ ہو جاتے ہیں بعض لوگ تو خواب دیکھنے کے کئی کئی دن بعد بھی گھبرائے پھرتے ہیں۔ ایسے خوابوں کا آنا ایک حقیقت ہے۔ اس کا حل اسلام کے علاوہ کسی اور سائنس کے پاس نہیں۔ برے خوابوں کے برے اثرات سے محفوظ رہنے کے بالائی طریقے کے علاوہ اور بھی بہت سے طریقے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیے ہیں۔

برا خواب دیکھنے کے بعد لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پڑھا جائے شیطان کی برائیوں سے پناہ مانگنے کے بعد بائیں طرف تین مرتبہ تھوکا جائے اور کروٹ بدل کر سو جائیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ انشاء اللہ۔

نیند میں چلنا:

یہ عادت ایک فیصدی بچوں میں ملتی ہے۔ اور ۱۱ سے ۱۴ سال کی عمر کے درمیان شروع ہوتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ سونے والا بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے بستر پر سے اٹھتا ہے۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور اس طرح وہ راستہ کی رکاوٹوں سے بچ کر چلنے لگتا ہے اگرچہ کہانیوں میں پڑھتے ہیں کہ نیند میں چلنے والا کوئی شخص اپنے کوٹھے سے نیچے گر گیا یا اس نے اسی کیفیت میں کسی کو قتل کر دیا۔ حالانکہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ دماغ کی

فعالیت کے گہرائی جائزوں سے معلوم ہوا کہ یہ حرکت اس وقت ہوتی ہے جب نیند گہری ہو۔ اور آنکھیں متحرک ہوں اور ایسی حالت میں عام طور پر خواب نہیں آتے۔ اس لیے یہ کہنا کہ نیند میں چلنا کسی خواب کے اثر کی وجہ سے ہوتا ہے درست نہیں۔ البتہ خواب فارسی میں سونے کو کہتے ہیں۔ اس لیے یہاں پر لفظ خواب اپنے دوسرے معنی یعنی نیند کی صورت میں استعمال ہوتا ہے۔

اسلام پورہ لاہور کے ایک صاحب موسم گرما میں اپنے کوٹھے پر ایک معمولی سا کپڑا پہن کر سوئے ہوتے تھے۔ ان کو نیند میں چلنے والی بیماری کا دورہ پڑا اور وہ گھر سے ملتان روڈ کی سمت چل پڑے۔ راستہ میں چوبرجی کی تیز ٹریفک میں سے خیریت کے ساتھ نکلے اور نیاز بیگ ٹھوکر تک پہنچ گئے۔ اس وقت تک صبح ہو چکی تھی اور چلتے چلتے پاؤں بھی تھک گئے تھے۔ نہر کے پل پر جا کر جب نیند کھلی تو وہ حیران رہ گئے کہ یہ ماجرا کیا ہوا؟ پہلے انہیں اپنی برہنگی کا احساس ہوا جس سے شرمندگی محسوس ہونے لگی۔ دوسرا مسئلہ گھر جانے کا تھا اور جیب میں کوئی پیسہ نہیں۔ ایک رکشہ والے کی منت کی اور گھر آ کر اس کو کرایہ ادا کیا۔

اس معاملے میں ان سے سوالات کیے گئے تو معلوم ہوا کہ ایسا حادثہ ان کے ساتھ کسی باقاعدگی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی سات آٹھ سالوں کے بعد ایک ادھ بار۔ اکثر اوقات وہ کسی دیوار یا گھر کے فرد سے ٹکرا کر ہوش میں آ جاتے ہیں۔ ۱۲ میل کا سفر زندگی میں صرف ایک بار ہوا۔ البتہ زندگی کے آخری ایام میں وہ پاگل ہو گئے تھے۔

بستر میں پیشاب کرنا :

علم طب میں بستر میں سونے کے دوران پیشاب کرنا ایک باقاعدہ بیماری ہے جس کا باقاعدہ علاج کیا جاتا ہے۔ طب یونانی میں خشخاش، صدف، ریٹھے وغیرہ دیے جاتے ہیں جب کہ طب جدید میں دماغی مسکنات اور بیلاڈونا کے مرکبات استعمال ہوتے ہیں۔ عام طور پر بچے چار سال کی عمر کے بعد بستر پر پیشاب کرتے ہیں۔ بچوں کی نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں

کہ بچہ جب اپنے آپ کو عدم توجہ کا شکار پاتا ہے تو وہ بستر پر پیشاب کرکے لاشعوری طور پر توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بہت سے بچوں سے معلوم کیا گیا تو اکثر نے بتایا کہ ان کو ایسے خواب آتے ہیں جن میں وہ باقاعدہ طور پر غسل خانہ میں جاکر پیشاب کرتے ہیں۔ مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ اگرچہ خواب میں ہوا لیکن اس کے انجام میں پورا بستر لت پت تھا۔

ایک صاحب بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنے گاؤں سے کسی رشتہ دار کے گھر بڑے شہر میں ٹھہرے۔ اگرچہ بستر پر پیشاب کرنے کی معمولی عادت اپنے گھر میں بھی تھی۔ لیکن شہر میں مہمان بن کر آنے کے بعد پیشاب ان کا روزانہ کا معمول ہو گیا۔ بلکہ بعض راتوں میں دو دو مرتبہ بھی ہو جاتا ہے۔

وہ خود بتاتے تھے کہ میں اتنا چھوٹا بھی نہ تھا اور جب صبح بھیگا ہوا بستر برآمد ہوتا تو میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میں ہمیشہ محتاط رہتا تھا۔ سونے سے پہلے پیشاب کرکے سوتا تھا۔ لیکن ہوتا یہ تھا کہ وہ خواب میں ایک لمبی کہانی کے دوران باقاعدہ لوٹا لے کر بیت الخلاء جاتے اور سلیقہ سے پیشاب کرتے۔ اور وہی خواب ان کے بستر کو گیلا کر جاتا۔

اسی طرح جنسی تحریکات خوابوں میں نظر آتی ہیں۔ بہر طور یہ ذہن کی غلاظت اور شیطان کی کارگزاری کا اظہار ہوتی ہیں۔

نفسیات میں اول تو ان مسائل کا کوئی حل موجود نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو وہ تحلیل نفسی کا ایک لمبا چوڑا پروگرام جس پر عمل کرنا اچھے اچھوں کے بس کی بات نہیں۔ اس کے مقابلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات سونے سے پہلے پڑھنے کے لیے اچھی اچھی باتیں بتائی ہیں آج ۱۴۰۰ سال گزرنے کے بعد بھی یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ جس کسی نے ایمان کے ساتھ ان آیات یا دعاؤں کو پڑھا اس کو کبھی نہ تو ڈراؤنا خواب آیا اور نہ وہ نیند میں چل کر کہیں گیا۔

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ سورۃ البقرہ کی آخری تین آیات کو پڑھ کر سونے سے

ہر طرح حفاظت رہتی ہے۔ جب کہ محدث عبدالرزاق اور دوسرے علماء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ سوتے وقت سورۃ والشمس۔ واللیل۔ والتین اور اخلاص کے ساتھ معوذتین پڑھنے اور اس دعا کو پڑھنے کے بعد نیند کا عرصہ پورے اطمینان سکون اور فرصت سے گزرتا ہے۔ اللھم انی اعوذ بک من سیٔ الاحلام، استجیر بک من تلاعب الشیطان فی الیقظۃ والمنام۔ اللھم انی اسئلک رؤیا صالحۃ صادقۃ نافعۃ حافظۃ غیر منسیۃ۔ اللھم ارنی فی منامی ما احب۔

ان دعاؤں کو پڑھنے میں دس منٹ لگتے ہیں۔ ہمارا ایمان اور یقین ہے کہ اللہ تعالٰے کے نام کی برکت سے رات یقیناً خیریت سے گزرے گی۔ اور اگر کوئی اسلام پر یقین نہ رکھتا ہو تو ان کا نفسیاتی پہلو بھی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ پورے دس منٹ جب پوری توجہ کے ساتھ ان کو پڑھا جائے گا تو دماغ میں موجود ادھر اُدھر کے خیالات یا فضول باتیں نکل جائیں گی۔ ان کی تلاوت ایک طاقتور DIVERSION مہیا کرے گی۔ اور اس طرح دن کے وہ واقعات یا تاثرات جو اپنی ہیئت تبدیل کر کے خواب میں اذیت کا سامان بنتے ہیں نکل جائیں گے اور خوشگوار نیند ایک لازمی نتیجہ ہوگی۔

استخارہ:

جدید نفسیات میں یہ بات اب ثابت ہو چکی ہے کہ کوئی شخص اپنی خواہش کے مطابق خواب لانے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اس کے مقابلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضی کا اور اپنی پسند کے موضوع پر خواب لانے کی ایک ترکیب بتائی ہے۔ جسے محدثین نے استخارہ کا نام دیا ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد دو نفل پڑھ کر استخارہ کے لیے مقرر کردہ دعا پڑھی جائے اور خدا سے اپنے مطلوبہ مسئلہ پر اشارہ کی درخواست کی جائے۔

استخارہ کی دعا میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اس خصوصی مسئلہ میں سائل

کو اپنی مہربانی سے یہ مشورہ دے کہ وہ اس کے لیے مفید ہوگا یا نہیں۔ اور اگر وہ غیر مفید ہے تو نہ صرف کہ اسے بتلائے بلکہ اس کا دل اس بات سے پھیر دے۔

اس طریقہ سے دعا کرنے اور اللہ سے اشارہ طلب کرنے کے بعد لازمی خواب میں کسی طور اشارہ مل جاتا ہے۔ اگر ایک دن میں نہ ملے تو یہی ترکیب مسلسل تین راتیں کی جاتی ہے۔ ۹۵ فیصدی کو ان تین راتوں میں واضح اشارہ مل جاتا ہے اور وہ ۵ فیصدی جن کو خواب نہیں آتا ان کی دعا بھی اکارت نہیں جاتی بلکہ اس خاص کام سے انکا دل پھر جاتا ہے یا مائل ہو جاتا ہے خدا سے مشورہ اور راہبری طلب کرنے کی اس ترکیب میں سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ استخارہ کسی ناجائز مسئلہ کے لیے نہ ہو۔ جیسے کہ کوئی استخارہ کرے کہ میرے لیے آٹھ نمبر گھوڑے پر پیسے لگانا مفید ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ جوئے کی تمام قسمیں اور دو طرفہ شرط لگانا اسلام میں حرام ہے اس لیے ریس کے ضمن میں استخارہ سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

تعبیر خواب کا جدید نظریہ:

الہامی کتابوں میں سینکڑوں ایسے خواب مذکور رہے ہیں جن کی تعبیر میں بھی کوئی مشکل نہ تھی بلکہ اکثر کا مطلب وہی تھا جیسے کہ خواب میں دکھایا گیا۔ مگر ہر خواب کسی بشارت پر مبنی نہیں ہوتا۔ خوابوں کی تعبیر کے ضمن میں سب سے پہلے ارسطو نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ماحول کے تاثرات خواب بن کر رات کو آتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ لوگوں نے بشارت والے نظریہ کے مزید ثبوت پیش کیے لیکن ۱۸۵۰ء میں فرانسیسی طبیب الفریڈ مورسے نے خوابوں کو بیرونی محرکات کا باعث قرار دینے والے نظریہ کی تائید میں ۳۰۰۰ خوابوں پر مشاہدات پیش کیے۔ یہی وہ بنیاد تھی جس پر فرائیڈ نے ۱۹۰۰ء میں اپنی مشہور کتاب DIE TRAUMDEUTUNG مرتب کی جو ۱۹۵۲ء میں انگریزی نام INTERPRETATION OF DREAMS کے ساتھ شائع ہوئی۔ اس سے کچھ دن پہلے خواب کے بارے میں اس کے نظریات AN OUTLINE OF PSYCHOANALYSIS میں بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس کے بعد "خواب اور انسانی معاشرہ" اور "خوابوں کی نفسیات" انہی کتابوں میں دوسرے ماہرین نے اپنے مشاہدات بھی شامل کر دیے اور اس طرح تعبیر خواب

جدید نفسیات کا ایک اہم باب بن گیا۔

اس کا نظریہ تھا کہ خواب درحقیقت لاشعور کو جاننے کا ایک مفید اور اہم راستہ ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ ہمیں وہاں کی خبریں ملتی ہیں اور انہی کے ذریعہ وہاں پر درستگی کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ وہ اسے دماغ کی کھڑکیاں قرار دیتا ہے۔ اور ان کی تعبیر کا ایک باقاعدہ اصول ترتیب دیا۔

بیداری کی حالت میں ذہن کے کچھ حصے اور ان کے رجحانات پر اخلاقی، سماجی یا مذہبی پابندیاں ایسی صورت میں عاید ہوتی ہیں کہ ہم خود بھی اپنے ذہن کے اندرون خانہ خیالات سے آگاہ نہیں ہوتے لیکن خوابوں کے ذریعہ ہم دبی خواہشات کے اظہار کا راستہ نکال لیتے ہیں۔ جیسے کہ جارحیت کا شوق۔ جنسی رجحانات وغیرہ کو نیند کے دوران خواب کی شکل میں اخراج کا راستہ مل جاتا ہے۔

فرائیڈ کی دانست میں خوابوں کی شکل مریض کی قبض۔ مثانہ میں موجود پیشاب کا دباؤ۔ بچپن کی تکلیف دہ یادوں اور روزمرہ کے واقعات اور تاثرات کے ذخیرے سے ترتیب پاتی ہے۔ خواب میں جو کچھ نظر آتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت وہ ہے جس میں روزمرہ کے واقعات اور کسی سے نفرت یا محبت واضح شکل میں مختلف علامتوں سے واضح ہوتی ہے اور دوسری صورت میں مخفی رجحانات ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کا آسانی سے ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ خواب کے ایسے حصوں کا ترجمہ وہی کرتا ہے جو علم نفسیات سے واقف ہونے کے علاوہ مریض کی شخصیت سے آشنا ہوتا ہے۔ بلکہ خواب کی تعبیر سے پہلے مریض سے متعدد سوال کیے جاتے ہیں۔ اس کی سابقہ یادیں ٹٹولی جاتی ہیں اور تب کہیں خواب کی تعبیر سمجھ میں آتی ہے۔ جسے اشاراتی زبان SYMBOLISM سے عبارت کیا جاتا ہے۔

جب کوئی شخص خواب دیکھ رہا ہوتا ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی نیند نہ ٹوٹے اور خواب دیکھنے کا دلچسپ عمل دیر تک جاری رہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ خواب سہانا تھا بلکہ ذہن کے لاشعور کو اس چور دروازے سے باہر نکلنے کا راستہ میسر آیا۔ اسے خواب میں وہ تمام باتیں کرنے اور دیکھنے کا موقع ملا جن کا اظہار وہ بیداری کی حالت میں واضح طور پر

نہیں کرسکتا تھا۔ فرائیڈ کا خیال ہے کہ خواب کی ظاہری صورت میں بھی مخفی صورت کے کچھ حصے
یا اس سے الٹ استعاروں میں ملتے ہیں۔ مثلاً کسی کو ایک ایسے شخص سے نفرت ہے جو چشمہ
لگاتا تھا۔ ایک بہت چوڑے پیچیدہ خواب میں کسی جگہ عینک ایک ایسی صورت میں نظر آئے گی
جس سے برائی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہاں پر اس شخص کی کوئی علامت اس کی شخصیت کے
اظہار کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

خواب کے بعد جب کسی کو اس کی تفصیل سنانے کو کہا جاتا ہے تو عام طور پر اسے
اکثر باتیں بھول چکی ہوتی ہیں۔ پھر وہ تلازمہ خیالات، جوڑ لگانے وغیرہ کی کوشش سے نامکمل
واقعات کو خالی جگہیں پُر کرنے کے اصول پر مکمل کر لیتے ہیں بلکہ اکثر خوابوں میں وضاحت کے
خیال سے ایسی چیزیں بھی بیان کر دی جاتی ہیں جو اصل خواب میں نہ تھیں۔

خواب کی تعبیر حاصل کرنے کے لیے مریض کو FREE ASSOCIATION کا مشورہ دیا جاتا ہے،
مثلاً اس کو آمادہ کیا جاتا ہے کہ کتے کا لفظ سننے کے بعد اس کے ذہن میں سب سے پہلے کیا
آتا ہے۔ پھر اس نہج پر جب وہ اپنے تلازمہ خیالات کو اور آگے لے کر جاتا ہے تو کہیں نہ کہیں
ذہن چھلنی کھا کر اس اصل چیز کو باہر لے آئے گا جس کے استعارہ کے لیے کتا نظر آیا۔ یا کتا فی
معاشرہ میں کتا ناپاک نجس، گندا اور خطرناک جانور ہے۔ ایک سچا مسلمان اپنے گھر میں کتا رکھنا
پسند نہیں کرے گا۔ اور اس لیے جب وہ خواب میں کتا دیکھتا ہے تو وہ کسی قابل نفرت یا
کمینے شخص کو ظاہر کرتا ہے جس کا گھر میں آنا یا اس سے تعلق رکھنا نہایت بُرا ہے۔ اس کے
برعکس یورپی معاشرہ میں کتا ایک دلکش، پیاری اور حفاظت کرنے والا ساتھی ہے۔ ان
کی خواب میں کتا کسی دم ہلانے والی شخصیت کا استعارہ ہو سکتا ہے۔

خواب ہر شخص کی اپنی ذات کا پرتو ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کی شکل میں
اس فرد کا دماغ اپنے خفیہ پیغامات ارسال کرتا ہے۔ خواب سننے کے لیے اگر کسی فرد کو
علی الصبح اس کے گھر میں جا کر ملیں تو جو معلومات حاصل ہوں گی وہ ان معلومات سے مختلف
ہوتی ہیں جو نفسیاتی علاج کے دوران مریضوں سے ڈاکٹروں کے مطب میں حاصل ہوتی ہیں
کیونکہ وقت گزرنے اور جگہ کی تبدیلی کے ساتھ انسانی ذہن کے اظہار میں تبدیلی آ جاتی ہے

خاص طور پر وہ مسائل جن میں جذبات اور محسوسات کا اظہار ملوث ہو۔

تجرباتی طور پر جب کسی سے خواب کو لکھ کر بیان کرنے کو کہا جاتا ہے تو مسلسل شاہدات سے معلوم ہوا کہ ایسا بیان ۱۵۰ الفاظ سے زائد نہیں ہوتا مگر اس کا مطالعہ کرنے کے بعد جب اضافی سوال کیے جاتے ہیں تو آہستہ آہستہ اضافہ نظر آنے لگتا ہے۔ اور دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات ثانوی اضافے اصل بیان سے تین گنا بھی ہو جاتے ہیں۔

چونکہ خواب جذبات کے اظہار کا ایک ذریعہ ہیں اس لیے اس میں موجود غصہ اور نفرت۔ فراوانی سے ہوتے ہیں مگر وہ اپنی اصلی شکل میں ہونے کی بجائے ایک خوبصورت ڈرامہ بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص کسی سٹیڈیم میں باکسنگ کا خونخوار میچ دیکھ رہا ہے مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو اپنے آپ کو بستر کے بغیر کھری چارپائی پر سویا پاتا ہے۔ باکسنگ میں مریض اپنے غصہ کے اظہار کی کوشش کرتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات کسی ایک شخص سے انس محسوس کرنے لگتا ہے اور اس کو جتنی مار پڑے اسے یوں لگتا ہے کہ وہ اس کو نہیں پڑی بلکہ وہ مار کھا رہا تھا یا کبھی بطور جیتنے والے باکسر کے طور وہ اپنے مخفی دشمن کی پٹائی کی مسرت محسوس کرتا ہے۔

فرائیڈ کے یہ نظریات ان خوابوں کے بارے میں تو درست ہو سکتے ہیں جن کو ہم پیٹ کی خرابی سے قرار دیتے ہیں یا وہ گہری نیند میں نہیں آتے بلکہ نیند اور جاگنے کے درمیانی عرصہ میں اس طرح آتے ہیں جیسے بیداری کے خیالات نیند میں بھی جاری رہے۔ اس قسم کا ایک خواب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خواب سنایا کہ اس کا سر کٹ گیا ہے اور وہ اس کے پیچھے بھاگا جا رہا ہے۔

آپ نے اسے جھڑکا کہ ایسا بیہودہ خواب کبھی کسی کو نہ سنانا کیونکہ خواب میں اس طرح شیطان تم سے شرارت کرتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

اس میں اہم بات یہ ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے مطابق بُرا خواب

کسی کو سنانے کی بجائے اللہ سے پناہ مانگ کر تین مرتبہ تھوک دیا جائے۔ خواب کی مضرت جاتی رہے گی ۔اس ترکیب کے علاوہ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا کہ شیطان جب تم سے شرارت کرے تو لوگوں کو نہ بتایا کرو۔

کتاب مقدس میں خواب :

کتاب مقدس میں متعدد مقامات پر ایسے خوابوں کا تذکرہ ملتا ہے جن کے مطابق کسی کو خدا کی طرف سے راہبری میسر آئی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو بادشاہ نے زبردستی اپنے تصرف میں لانا چاہا تو ارشاد ہوا۔

لیکن رات کو خدا ابی ملک کے پاس خواب میں آیا۔ اور اُس نے کہا کہ دیکھ تو اس عورت کے سبب سے جسے تو نے لیا ہے ہلاک ہو گا کیونکہ وہ شوہر والی ہے۔ پر ابی ملک نے اس سے صحبت نہیں کی تھی ۔ سو اُس نے کہا اے خداوند کیا تو صادق قوم کو بھی مارے گا ؟ کیا اُس نے خود مجھ سے نہیں کہا کہ یہ میری بہن ہے ؟ اور اب بھی یہی کہتی تھی کہ وہ میرا بھائی ہے۔ میں نے تو اپنے سچے دل اور پاکیزہ ہاتھوں سے یہ کیا۔ اور خدا نے اُسے خواب میں کہا ہاں میں جانتا ہوں کہ تو نے اپنے سچے دل سے یہ کیا اور میں نے بھی تجھے روکا کہ تو میرا گناہ نہ کرے۔ اسی لیے میں نے تجھے اس کو چھونے نہ دیا اب تو اس مرد کی بیوی کو واپس کر دے کیونکہ وہ نبی ہے اور وہ تیرے لیے دعا کرے گا اور تو جیتا رہے گا تو بھی اور جتنے دشمن ہیں سب ضرور ہلاک ہوں گے۔ (پیدائش ۔ ۸ : ۳ ۔ ۲۰)

اس اہم خواب کے بعد اسی باب میں حضرت یوسف علیہ السلام سے مذکور ایک خواب بیان ہوئی جس میں کہا گیا۔

تب سردار ساقی نے اپنا خواب یوسف سے بیان کیا اس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ انگور کی بیل میرے سامنے ہے اور اس کی تین شاخیں ہیں

اور ایسا دکھائی دیا کہ اس میں کلیاں لگیں اور پھول آتے اور اس کے سب گچھوں میں پکے پکے انگور رگے۔ اور فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں ہے اور میں نے ان انگوروں کو لے کر فرعون کے پیالہ میں نچوڑا اور وہ پیالہ میں نے فرعون کے ہاتھ میں دیا۔ یوسف نے اُس سے کہا اس کی تعبیر یہ ہے۔ وہ تین شاخیں تین دن ہیں سو اب تین دن کے اندر فرعون تجھے سرفراز فرمائے گا۔ اور تجھے پھر تیرے منصب پر بحال کر دے گا اور پہلے کی طرح جب تو اس کا ساقی تھا پیالہ فرعون کے ہاتھ میں دے گا۔ جب تو خوشحال ہو جائے تو مجھے یاد رکھنا اور ذرا مجھ سے مہربانی سے پیش آنا۔

(پیدائش ۹ - ۴۰)

اس دوران فرعون مصر نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر سے اس دور کے منجم عاجز آگئے۔ ادھر وہ جیل کا ساتھی ساقی گری مل جانے پر یوسف کو بھول چکا تھا۔

پورے دو برس بعد فرعون نے خواب میں دیکھا کہ وہ لب دریا کھڑا ہے۔ اس دریا میں سے سات موٹی موٹی گائیاں نکل کر چرنے لگیں۔ ان کے بعد سات بدشکل اور دبلی گائیں دریا سے نکلیں اور دوسری گائیوں کے برابر دریا کنارے جا کھڑی ہوئیں اور یہ بدشکل اور دبلی دبلی گائیں ان ساتوں خوبصورت اور موٹی موٹی گایوں کو کھا گئیں۔

تب فرعون جاگ اٹھا اور وہ پھر سو گیا۔ اور اس نے دوسرا خواب دیکھا کہ ایک ڈنٹھی میں اناج کی سات موٹی اور اچھی اچھی بالیں نکلیں۔ ان کے بعد اور سات پتلی اور پوربی ہوا کی ماری مرجھائی ہوئی بالیں نکلیں۔ یہ پتلی بالیں ان ساتوں موٹی اور بھری ہوئی بالیں کو نگل گئیں۔ اور فرعون جاگ اٹھا۔

(پیدائش ۔ ۸ ۔ ۱ : ۴۱)

فرعون کا یہ خواب قرآن مجید کے بیان سے تھوڑی سی رد و بدل کے بعد مطابقت رکھتا ہے۔ توریت مقدس کا باب دانی ایل خوابوں اور ان کی تعبیر سے بھرا پڑا ہے۔

اور بنوکد نضر نے اپنی سلطنت کے دوسرے سال ایسے خواب دیکھے جن سے اس کا دل گھبرا گیا۔ اور اس کی نیند جاتی رہی۔

(دانی ایل۔ ۲۔۱ : ۲)

پہلے خواب میں اس نے ایک مورت دیکھی اور کا سر خالص سونے کا، سر اور بازو چاندی کے۔ تانبے کی رانیں، ٹانگیں لوہے کی، مگر کچھ حصہ مٹی کا۔ ایک پتھر لگنے سے اس کے ٹکڑے ہو گئے۔ اس کی تعبیر بتائی گئی کہ اس کی اپنی سلطنت سونے کی ہے اور بعد کی حکومت چھوٹی اور کمزور ہوں گی۔ مگر آخر میں ایک لوہے کی طرح مضبوط آئے گی۔

اس کے بعد دانی ایل نے شاہ بابل بیلشضر کی حکومت کے پہلے سال ایک خواب دیکھا کہ سمندر سے چار نہایت طاقتور حیوان برآمد ہوئے۔ جو عجیب الخلقت تھے۔

اس خواب کو اس نے دو روز مسلسل دیکھا اس کی سلطنت کے تیسرے سال اس نے پھر ایک طویل اور عجیب خواب دیکھا وہ ایک محل میں ہے۔

ان کے خوابوں کی تصدیق اسلام بھی کرتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد تعبیر خواب کے عالم حضرت دانیال علیہ السلام تسلیم کیے جاتے ہیں۔

انجیل مقدس میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے ذکر کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو بچے کی اطلاع کے بعد۔

پس اس کے شوہر جو راستباز تھا اور اُسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا اُسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اُسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈرو کیونکہ جو اُس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے؛ اس کے ہاں بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا؛

یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ۔

دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی۔ اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے جس کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ۔

پس یوسف نے نیند سے جاگ کر دلیا ہی کیا، جیسا خداوند کے فرشتہ نے اسے حکم دیا تھا۔ (انجیل متی۔ ۲۴-۱۹:۱)

قرآن مجید اور خواب :

قرآن مجید کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ وہ دنیا کے ہر مسئلہ میں راہبری مہیا کرتا ہے اور اس کی تعلیمات ہر دور کے لیے درست پائی جائیں گی۔ اس نے خوابوں کے سلسلہ میں متعدد مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔ لیکن تفصیل کے ساتھ سب سے پہلی خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ

(الصافات - ۱۰۲-۱۱۱)

اور جب وہ اتنے بڑے ہو گئے کہ باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگے تو ایک روز باپ نے کہا "اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب سوچ کر بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے" اس نے کہا اے میرے باپ، آپ اسی طرح کریں جس طرح خدا تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے اور آپ انشاء اللہ مجھے صابر و شاکر پائیں گے" باپ بیٹے حکم خدا کی تعمیل

پر کرب نہ ہوئے۔ بیٹے کو زمین پر ماتھے کے بل لٹا دیا گیا۔ اسی وقت ہم نے ابراہیم کو پکارا کہ بس کر د۔ تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ اور ہم نیکی کرنے والوں کو اچھا عوض دیتے ہیں۔ بے شک یہ ہماری طرف سے ایک آزمائش تھی اور ہم نے اس کی جگہ پر ایک بڑا جانور رکھ دیا۔ اور باقی رکھا ہم نے اس تعمیل حکم کی مثال کو آئندہ آنے والوں کے لیے۔ ابراہیم پر سلامتی ہے اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں کیونکہ وہ ہماری اطاعت کرنے والے مومنوں میں سے تھا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے نوعمر بیٹے اسماعیلؑ کو خواب میں خدا کا حکم پاکر ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بیٹا اوندھا لٹایا گیا تاکہ اس کے چہرے پر کرب دیکھ کر شفقت پدری جوش میں نہ آ جائے۔ اس مرحلہ پر خدا نے ابراہیمؑ کو ہاتھ روکنے کا حکم دے کر اس کی جگہ ایک دنبہ رکھ دیا۔ اطاعت کی یہ شاندار مثال ابد ہو گئی۔ کیونکہ اسی دن ہر مسلمان سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے قربانی دیتا ہے اور ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں جب بھی خدا سے مانگا اسے ملا اور اس ذبح عظیم کے بعد اس کو بڑھاپے میں ایک اور فرزند اسحاقؑ بھی عطا کیا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور تعبیر خواب :

انہوں نے خود جب پہلی خواب دیکھی تو قرآن مجید اس کو یوں بیان کرتا ہے۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰبُنَىَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لَقَدْ كَانَ فِىْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۔

(یوسف - ۷-۴)

(جب یوسفؑ نے اپنے باپ (یعقوب) کو بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو ہرگز نہ سنانا۔ کیونکہ اسے سن کر وہ تمہارے نقصان کے لیے فریب کا منصوبہ بنانے لگ جائیں کیونکہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اور اس طرح تمہارا رب تمہیں نوازے گا۔ تعبیر خواب کے علم سے اور اپنی نعمتیں تم پر تمہارے باپ کی نسل پر اسی طرح پوری کرے گا جس طرح کہ اس نے تمہارے باپ اور اجداد ابراہیم اور اسحاق پر پوری کیں۔ کیونکہ وہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ حقیقت میں یوسف اور اس کے بھائیوں کے معاملہ میں پوچھنے والوں کے لیے بہت کچھ توجہ کے قابل موجود ہے)

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنا پہلا خواب تھا جب ان کے والد کو معلوم ہوا تو انہوں نے تعبیر کی کہ تمہارے گیارہ بھائی اور باپ تمہارے سامنے سجدہ ریز ہوں گے۔ خدا تعالیٰ تمہیں تعبیر خواب کے علم میں دنیا بھر میں یکتا بنائے گا اور اسی طرح پیغمبری عطا کرے گا جیسے کہ اس نے ان کے اجداد میں ابراہیم اور اسحاق کو عطا کی تھی۔

یہ خواب بھی پورا ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر میں وزارت خزانہ اور خوراک پر متمکن ہوتے اور ان کے بھائیوں اور باپ نے ان کو تعظیم دی۔ ان کو تعبیر خواب کے علم پر اتنی قدرت عطا ہوئی کہ پوری دنیا میں آج بھی ان سے بہتر تعبیر کرنے والا کوئی پیدا نہ ہوا۔ اپنی پہلی خواب کے بعد حضرت یوسفؑ مختلف معاملات میں الجھا دیے گئے۔ اور شاہ مصر کی بیوی نے ان پر تہمت لگا کر جیل بھجوا دیا بلکہ انہوں نے خود یہ پسند کیا کہ وہ ایسے غلط گھر میں رہنے کی بجائے جیل چلے جائیں تو اچھا ہو۔ جیل میں انہوں نے لوگوں کو اچھائی کا درس دینا شروع کیا۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ۗ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۗ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ

الْمُحْسِنِيْنَ ‎ قَالَ لَا يَأْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ

اس کے ساتھ جیل میں دو جوان بھی داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے آقا کے لیے شراب نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میرے سر پر روٹیوں کا ایک ٹوکرا ہے۔ جس میں سے پرندے چونچیں مار کر کھا رہے ہیں۔ مہربانی کر کے آپ ہمیں ان خوابوں کی تعبیر بتائیں کہ آپ ہمیں احسان کرنے والے معلوم ہوتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ جب تک تمہارا کھانا تمہیں میسر آئے گا میں تمہیں انشاء اللہ ان کی تعبیر بتا دوں گا۔ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا ہے اور میں نے اس قوم سے ترک تعلق کر لیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور آخرت کے منکر تھے۔

اس کے بعد انہوں نے قیدیوں کو اسلام کے بارے میں بتایا اور دین حنیف کی تبلیغ کے بعد کہا۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ‎ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ‎ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ‎ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ‎ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَاُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ
اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ
دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا
تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ
مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْ
بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝ وَ
قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ
اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ
اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ
يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ
سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ
اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝
ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ
الْخَآئِنِيْنَ ۝ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ
اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۚ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ
بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا
مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ
عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ
يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (يوسف: ۵۶-۴۱)

(اے میرے جیل کے ساتھیو! تم میں سے ایک اپنے آقا کو عنقریب شراب پلائے گا
اور دوسرا پھانسی دیا جائے گا۔ اور پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے
جس چیز کے بارے میں تم نے مجھ سے پوچھا تھا اس کا فیصلہ یوں ہو گا۔ ان میں

جس نے رہائی پائی تھی اس کو کہا کہ جب وہ اپنے آقا کے پاس بحال ہو کر جائے
تو میرا ذکر بھی اس سے کرے۔ لیکن شیطان نے اسے بھلا دیا اور وہ اس
کے بعد بھی چند سال جیل میں رہے۔

(ایک روز بادشاہ نے (اس کے آقا نے) خواب میں دیکھا کہ سات موٹی گائیاں ہیں
اور سات دبلی ہیں اور سات ہری بالیاں اور دوسری سات سوکھی اور سڑی۔ اے میری قوم
مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔ اگر تم تعبیر کے بارے میں علم رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو اڑتے
ہوئے سے خواب ہیں اور ہم کو ان کی تعبیر معلوم نہیں اس پر اس ملازم نے جسے جیل سے رہائی
ملی تھی کہا کہ اگر تم مجھے بھیجو تو میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ (اس نے حضرت یوسف کا ذکر
سنا یا ہوگا)۔ چنانچہ وہ جیل میں گیا اور کہا کہ اے میرے دوست مجھے تعبیر بتا کہ سات موٹی
گائیاں ہیں جن کو سات دبلی کھا گئیں اور سات ہری بالیاں اور سات خشک اور سڑی ہیں۔
ان کی تعبیر مجھے بتائیے تاکہ میں ان لوگوں کو جا کر بتاؤں۔)

انہوں نے بتایا کہ تم سات سال تک کھیتی کرو گے اور اس کو اپنے کھانے
کے علاوہ بچا کر رکھنا۔ کیونکہ اس کے بعد سات ایسے سال آئیں گے جب
تم پچھلے سالوں کی بچت پر گزارا کرو گے کیونکہ ان میں تم پر سختی ہو گی۔ پھر اس
کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں بارش نہ ہو گی۔ اور لوگ اس میں
رس نچوڑیں گے۔

بادشاہ کا قاصد ان کو لینے آیا تو انہوں نے کہا کہ پہلے اس واقعہ کے بارے میں سچائی
کی تحقیقات کرو جس میں عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے کیونکہ ان کے مکر و فریب بہت
زبردست ہیں۔

بادشاہ نے عورتوں سے سوال کیا کہ اس مسئلہ کی حقیقت کیا ہے جب تم نے یوسف
کو پھسلایا۔ ان سب نے کہا کہ ہم نے اس شخص میں ہرگز کوئی برائی نہیں دیکھی اور عزیز کی بیوی
نے کہا کہ اب جب کہ سچائی کھل کر ظاہر ہو گئی ہے تو حقیقت یہ ہے کہ میں نے ہی اس کو پھسلانے
کی کوشش کی تھی اور وہ شخص بالکل سچا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ میرا خاوند یہ

محسوس نہ کرے کہ میں نے اس کی خیانت کی تھی۔ اور یہ درست ہے کہ دھوکا، فریب اور دغابازی زیادہ نہیں چلتا۔

اس پر یوسف نے کہا کہ میں بھی پاک صاف نہ رہ سکتا تھا کیونکہ نفس امارہ انسان کو بہکاتا رہتا ہے۔ بچ وہ جاتے ہیں جن پر ان کا خدا مہربانی فرماتا ہے کیونکہ وہ بخش دینے والا مہربان ہے۔

بادشاہ نے کہا کہ اب ہمارے تمہارے درمیان غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور تو ہمارے پاس اچھی جگہ پانے کا مستحق ہے۔ کیونکہ تو معتبر ہے۔

یوسف نے کہا کہ آپ مجھ کو ملک کے خزانوں پر مقرر کریں۔ میں چیزوں کو سمجھنے اور ان کی حفاظت کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں۔ اور اس طرح یوسف کو زمین پر متعین کیا۔ ہم جس کو جہاں چاہیں گرفت میں لے سکتے ہیں اور اپنی رحمت اور مہربانیاں ان کو عطا کرتے ہیں جن کو ہم چاہیں۔ کیونکہ ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تعبیر خواب :

تعبیر خواب کے موضوع پر حضرت یوسف علیہ السلام۔ حضرت دانیال علیہ السلام کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ ان سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی ایک خواب دیکھا اور انہوں نے ان کی تعبیر کرنے کی بجائے اس پر من وعن عمل کیا۔ دنیا کی آبادی کے بڑھنے۔ علمی اور معاشرتی ترقی کے بعد لوگوں کے علم اور ضرورتوں میں اضافہ کے پیش نظر خوابوں کی ماہیت بھی تبدیل ہو گئی۔ خدا نے بدلتے ہوئے حالات اور ان کے تقاضوں کے مطابق ہر دور میں رسول بھیجے اور ان رسولوں نے انسانیت کو سنوارنے اور اچھی زندگی گذارنے کے طریقے سکھلاتے۔ ان ہی سے ہر رسول کے پاس روحانیت کے علاوہ دنیاوی علوم میں بھی کوئی نہ کوئی تخصیص ہوتی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہت کے ساتھ تعبیر خواب کا مکمل علم عطا ہوا۔ بلکہ ان چیزوں کے ملنے سے بہت پہلے ان کے والد اور خدا کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو مطلع کر دیا تھا کہ وہ عنقریب نبوت بھی پائیں گے اور تعبیر خواب کے علم میں بھی شہرت دوام میسر ہو گی۔ تاریخ سے اس امر کی کوئی سند میسر نہیں کہ حضرت یوسف نے تعبیر خواب کا علم آگے لوگوں کو بھی سکھایا جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علوم عطا ہوئے۔ انہوں نے لوگوں کو وہ علوم بڑی محنت اور کاوش سے سکھلائے اور یہی وہ باعث تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں نے ملک گیر تبلیغ۔ حکمت۔ فلسفہ بلکہ اقلیدس جیسے مضامین میں بھی بقائے دوام حاصل کیا۔ ان کو آج بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

تعبیر خواب کا علم انہوں نے خدا تعالیٰ سے حاصل کیا۔ اور ہر روز صبح کی نماز سے فارغ ہو کر وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کو خواب بیان کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ خواب سننے کے بعد اس کی تعبیر کرتے اور اس طرح حاضرین کی ایک کثیر تعداد خوابوں کی اہمیت اور ان کی تعبیروں سے واقف ہو جاتی۔ اس میں اہم ترین بات یہ تھی کہ خواب صبح کی روشنی پھیل جانے سے بھی پہلے سنے جاتے تھے اور اس وقت چونکہ خواب تازہ تازہ دیکھے ہوئے تھے۔ اس لیے ان کے بھول جانے کا کوئی امکان نہ تھا بلکہ دوسروں کے خواب سن کر تلازمہ خیالات سے آدھے بھولے بھی یاد آجاتے تھے۔ خواب سنانے والوں کو اس علم کی اہمیت سکھانے کے لیے

سب سے پہلے وہ اپنا کوئی خواب سناتے تھے اور پھر اس کی تفسیر فرماکر اسے خدا کی جانب سے خوشخبری کے معنوں میں اہمیت دیتے تھے۔ ان کے اپنے خواب عام طور پر آئندہ کے واقعات کی پیشگوئیوں کے ساتھ ساتھ تعلیمی نوعیت بھی رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر بخاری میں ان کا ایک خواب کئی صفحوں پر محیط بیان کیا گیا ہے۔ جن کو من وعن پیش کرنے کی بجائے اس کا خلاصہ دے کر مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سمرۃ بن جندب رض بیان کرتے ہیں کہ وہ ہر روز اپنے اصحاب سے پوچھا کرتے تھے کہ کسی نے آج خواب دیکھا؟ پھر لوگ خواب بیان کرتے۔ ایک صبح انھوں نے فرمایا کہ رات میرے پاس دو فرشتے آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ پہلے ایک آدمی کروٹ پر لیٹا دیکھا۔ اس کے سرہانے ایک فرشتہ پتھر لیے کھڑا ہے۔ وہ اس کے سر پر پتھر مار کر اس کو کچل دیتا۔ وہ کروٹ بدلتا ہے تو سر ٹھیک ہو جاتا اور فرشتہ پھر اس کے دوسری طرف سے پتھر مار کر کچل دیتا ہے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے پاس قرآن کا علم تھا جسے اس نے بھلا دیا۔ فرض نمازوں پر نیند کو ترجیح دیتا تھا۔

دوسرا آدمی دیکھا کہ فرشتہ اس کے منہ میں باریک چھری ڈال کر اس کے گال سے آنکھیں تک چیر دیتا ہے۔ اس کے نتھنے بھی چر جاتے۔ جب وہ دوسری طرف کا چیرنے لگتا تو پہلی طرف ٹھیک ہو جاتی۔ الغرض اس کا منہ بار بار چیر کر اسے عذاب ملتا رہا۔

معلوم ہوا کہ یہ شخص ہر صبح گھر سے نکل کر کوئی جھوٹی خبر تیار کرتا اور پھیلا دیتا۔

پھر ایک گڑھا دیکھا جس کے اندر سینکڑوں برہنہ مرد اور عورتیں تھیں ان کے نیچے آگ کی دیگ تھی جس سے شعلے نکل کر ان کو مسلسل جھلس رہے تھے۔

معلوم ہوا کہ یہ بدکار مرد اور عورتیں ہیں۔

پھر ایک ندی دیکھی جس کا پانی خون کی طرح سرخ تھا۔ جس میں ایک شخص تیر رہا تھا۔ وہ کنارے پر بیٹھے ایک شخص کے پاس بار بار آتا۔ وہ ہر مرتبہ اس کے منہ میں ایک پتھر ڈال دیتا۔

معلوم ہوا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔

پھر دیکھا کہ ایک حیرت ناک لمبائی اور انتہائی بدصورتی والا شخص آگ سلگا رہا ہے اور اس کے گرد دوڑ رہا ہے۔

بتایا گیا کہ آگ جلانے والا یہ شخص دوزخ کا داروغہ مالک ہے۔

پھر ہم ایک نہایت شاندار باغ میں پہنچے۔ جس میں ایک لمبے قد کا آدمی اتنا لمبا کہ اس کا سر دیکھنا مشکل ہوگیا۔ اس کے ارد گرد بے شمار لڑکے جمع ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ صاحب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور ان کے ارد گرد وہ لوگ ہیں جو دین فطرت یعنی اسلام پر فوت ہوتے۔

پھر ہم ایک ناقابل بیان خوبصورتی والے باغ میں آئے۔ جہاں پر خوبصورت درخت تھے، ہم ایک درخت پر چڑھے تو آگے سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا ایک نہایت خوبصورت شہر نظر آیا۔ اندر گئے تو وہاں ایسے آدمی نظر آئے جن کا آدھا جسم نہایت خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا۔ فرشتوں نے ان سے کہا کہ تم سامنے والی ندی میں کود جاؤ۔ جب وہ اس شفاف ندی سے نکلے تو ان کے جسم یکساں طور پر خوبصورت ہو گئے تھے۔

معلوم ہوا کہ یہ باغ جنت العدن ہے۔ اس میں پھرنے والے ادھے بدصورت وہ اشخاص تھے جن کی زندگی میں کچھ گناہ تھے اور کچھ نیکیاں۔ ندی میں نہانے سے مراد یہ تھی کہ رحمت باری سے ان کے گناہ معاف ہو گئے۔

یہ خواب اگرچہ تعلیمی نوعیت کا تھا جس میں علم قرآن کو یاد رکھنے۔ بدکاری اور سود خوری کی مذمت کے ساتھ اچھے کام کرنے والوں کو اچھے عوض کا مژدہ سنایا گیا۔ اس

میں دو ایک نکتہ احساس گناہ کے بارے میں بھی ملتا ہے۔ نفسیات میں احساس گناہ کو مسلسل اذیت کا باعث قرار دیا جاتا ہے۔ مگر انہوں نے اس مثال میں اسے بڑی آسانی سے حل کر دیا۔ گناہوں اور نیکیوں کا مرکب ہے کہ جو لوگ جنت میں گئے خدا نے اپنی رحمت سے ان کے تمام گناہ دور کر دیئے۔

لوگوں کے خواب سننے سے پہلے انہوں نے ان کو وارننگ دی کہ جھوٹا خواب بیان کرنا برائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے ایک ایسا خواب سنایا جو اس نے نہ دیکھا ہو تو قیامت والے دن اسے جو کے دو دانوں کو گرہ لگانے کو کہا جائے گا۔ چونکہ ایسا ممکن نہ ہوگا اس لیے وہ مار کھاتا رہے گا۔

پھر فرمایا جو شخص لوگوں کی خفیہ گفتگو سننے کے لیے کان لگائے گا قیامت والے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔

جو کوئی تصویریں بنائے گا اسے ان میں جان ڈالنے کو کہا جائے گا جب وہ ایسا نہ کر سکے گا تو عذاب دیا جائے گا۔ (بخاری)

اسی موضوع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنی دونوں آنکھوں کو وہ چیز دکھلائے جو انہوں نے نہیں دیکھی۔ (بخاری)

پھر انہوں نے خواب کی اہمیت کے پیش نظر خوابوں کے وقت کا تعین فرمایا۔ اس باب میں ان سے حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔

بہت سچا خواب وہ ہے جو رات کے آخری حصہ میں دیکھا جائے۔

(ترمذی۔ دارمی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا۔ لوگوں کو سنایا۔ اس ضمن میں قرآن مجید

نے فرمایا۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لاتخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلک فتحا قریبا۔ (الفتح ۔ ۲۷)

(بلاشبہ اللہ نے اپنے رسول کی خواب کو سچا کر دکھایا اور یہ حقیقت ہے کہ تم احترام والی مسجد میں اور جب اللہ نے چاہا تو امن سے اپنے سروں کے بال مونڈتے اور کترتے بلا خطر جاؤ گے اور تم کو ہم وہ بتائیں گے جو تم نہیں جانتے اور اس کے علاوہ عنقریب تم کو ایک اور فتح حاصل ہوگی)۔

اس آیت کا باعث یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں خواب دیکھا کہ ان کے اصحابہ مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ جہاں کوئی قربانی کر رہا ہے اور کوئی سر منڈوا رہا ہے جس کی تعبیر یہ کی گئی کہ وہ مکہ معظمہ میں داخل ہوں گے۔ لیکن اسی مقام پر صلح حدیبیہ کی رو سے اللہ کے گھر میں حضوری ممکن نہ ہو سکی۔ جس سے لوگوں کو خیال آسکتا تھا کہ خواب تو پورا نہ ہوا۔ اس آیت میں خدا نے واضح کر دیا کہ پیغمبر کا خواب بہرحال پورا ہوگا اور اس تھوڑی عرصہ میں جس مزید فتح کی بشارت دی گئی وہ بھی پوری ہوتی۔ کیونکہ مسلمانوں نے خیبر فتح کر لیا۔

اسی طرح انہوں نے مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے سے پہلے خواب میں کھجوروں کی وادی دیکھی اور تعبیر یہ کی گئی کہ ان کو اپنے اصحاب سمیت ہجرت کرنا ہوگی اور ان کا آئندہ مسکن کھجوروں والی یہ وادی ہوگی۔

پریشان حال عورت :

حضرت عبد اللہ بن عمر سے تین مختلف ذرائع سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں سر پریشان ایک سیاہ فام عورت کو دیکھا جو مدینہ سے نکل کر مھیعہ میں جا کر اتر گئی۔

حضور نے اس کی تعبیر یہ کی کہ مدینہ کی وبا روہاں سے نکل کر معصیعہ (جحفہ) کو چلی گئی۔ (بخاری)

تلوار چلانا :

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ روایت فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں خواب میں تلوار چلا رہا ہوں پھر یہ تلوار ایک دم اوپر سے ٹوٹ گئی۔ پھر دوبارہ ہلایا تو وہ اچھی خاصی درست ہو گئی تھی۔

انہوں نے اس کی تعبیر یہ فرمائی کہ احد میں مسلمانوں پر مصیبت آئی۔ پھر حالت درست ہوئی اور مکہ فتح کر لیا گیا۔ (بخاری)

ان کی تعبیر کے چند خواب یہ ہیں۔

ابوسعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ میرے سامنے لائے جا رہے ہیں اور وہ کرتے پہنے ہوئے ہیں۔ کسی کا کرتہ صرف چھاتی تک اور کچھ کا اس سے قدرے بڑا یا چھوٹا۔

پھر عمر میرے سامنے آئے۔ ان کا کرتہ اتنا لمبا تھا کہ وہ اس کو گھسیٹ رہے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضور اس کی تعبیر کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا دین داری۔ (بخاری)

ان کی خوابوں میں مستقبل کے واقعات کی خوشخبری کے مالک لوگوں کی حالت کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

عبد اللہ بن سلامؓ نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک ہرے بھرے باغ میں ہیں اس میں ایک ستون ہے۔ وہاں ایک غلام کھڑا تھا جس نے مجھے ستون پر چڑھ جانے کو کہا۔ میں چڑھ گیا۔ اوپر ایک کنڈا تھا۔ میں نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا۔ انہوں نے یہ خواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ باغ سے مراد

اسلام قرار دیا گیا۔ کنڈا ابھی اسلام ہے جس کو انہوں نے مضبوطی سے تھام لیا۔
(بخاری۔ مسلم)

گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑی دیکھنا:

محمد ابن سیرین حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد تھے۔ وہ ان سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب قیامت قریب آئے گی تو کسی مومن کا خواب جھوٹا نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو نفسانی خواہشات دوسرے شیطان کے بہکاوے تیسرے اللہ کی طرف سے خوشخبری۔ اگر کوئی ایسا خواب دیکھا جائے جو ناگوار گذرے تو نیند سے اٹھ کر نماز پڑھتے محمد بن سیرین نے کہا کہ ابوہریرہ گلے میں طوق دیکھنا برا سمجھتے تھے کیونکہ یہ دوزخیوں کی نشانی ہے جب کہ پاؤں میں بیڑی کو دینداری میں مضبوطی کی علامت قرار دے کر اچھا سمجھتے تھے۔ (بخاری)

یہ روایت ابوہریرہ سے قتادہؓ اور یونس نے بھی بیان کی جسے مسلم۔ نسائی نے محمد بن سیرین کے قول کو علیحدہ اور ابوہریرہؓ کی روایت علیحدہ بیان کی ہے لیکن بیڑی اور طوق کی تعبیر دونوں نے آنحضرتؐ سے روایت کی ہے۔

ریشمی کپڑا:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بہشت میں ہوں اور میرے ہاتھ میں ایک ریشمی کپڑے کا ٹکڑا ہے۔ میں جس جگہ جانے کا قصد کرتا ہوں۔ یہ ٹکڑا مجھے وہاں اڑا کرلے جاتا ہے میں نے یہ خواب اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہؓ سے بیان کیا انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا تیرا بھائی نیک بخت

آدمی ہے۔ (ترمذی۔ بخاری)

ایک اور روایت کے مطابق فرمایا کہ عبداللہ اچھا آدمی ہے بشرطیکہ وہ تہجد پڑھتا۔ اس پر انہوں نے پوری زندگی کبھی تہجد نہیں چھوڑی۔

چشمہ :

جب مہاجرین مدینہ آئے تو حضرت عثمان بن مظعون ایک انصاری خاندان سے وابستہ ہوگئے خاتون خانہ حضرت ام علاءؓ ان کی پرہیزگاری اور اخلاق کی مداح تھیں۔ وہ فوت ہوئے تو اس خاتون نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان کے لیے ایک چشمہ بہ رہا ہے یہ خواب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ عثمان کے نیک اعمال ہیں جن کا فائدہ انہیں مرنے کے بعد بھی مل رہا ہے۔

امام بخاریؒ اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ عثمان مالدار تھے۔ ممکن ہے انہوں نے عوام الناس کی بھلائی کے لیے کوئی ایسا کام کیا جو صدقہ جاریہ کے برابر تھا اور اس باعث اس کا ثواب مرنے کے بعد بھی حاصل ہوتا ہے۔

(بخاری)

جس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اچھے کاموں کی جزا مرنے کے بعد بھی مل سکتی ہے۔

کنوئیں سے پانی نکالنا :

عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں ایک کنوئیں پر ہوں اور پانی نکال رہا ہوں۔ پھر ابوبکر آئے۔ انہوں نے ایک دو ڈول نکالے مگر کمزوری کے ساتھ۔ پھر عمر آگے آتے۔ ان کے لیے ڈول بھی بڑا ہو گیا۔ مگر انہوں نے سب سے بہتر کام کیا۔ اتنا پانی کھینچا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے۔ اور وہ اپنے جانوروں کو آرام کے لیے ان کے تھانوں پر لے گئے۔ (بخاری)۔

اس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کی تعبیر مسلمانوں کی خلافت کی گئی ابوبکر نے مختصر عرصہ کام کیا۔ پھر عمر آئے جنہوں نے مسلمانوں کو مالا مال کر دیا۔ چار ہزار بڑے شہر فتح کیئے۔ اسلام اور اسلامی ترقی کے لیے شاندار خدمات سرانجام دیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ سو رہا تھا کہ خواب میں دودھ کا پیالہ میرے سامنے لایا گیا۔ میں نے دودھ پیا۔ پھر اتنا پیا کہ دودھ میرے ناخنوں سے پھوٹ کر نکلنے لگا۔ میں نے پیالے کا بچا ہوا دودھ عمرؓ کو دے دیا۔
صحابہ کرام نے پوچھا کہ اس کی تعبیر کیا ہے۔
انہوں نے فرمایا۔ "علم" (بخاری)

قبرص اور قسطنطنیہ کی فتح :

ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رضاعی خالہ ام حرامؓ اور حضرت عبادہ بن الصامتؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ کھانے میں دیر تھی اس لیے آپ نے تھوڑی دیر آرام فرمایا۔ اور مسکرا کر اٹھے۔ حضرت ام حرامؓ نے پوچھا کہ خوشی کی کیا بات ہے۔ فرمایا۔
"میں نے دیکھا کہ میری امت کے لوگ سمندر میں اس وقار کے ساتھ سفر کر رہے ہیں جیسے کہ بادشاہ اپنے تختوں پر چڑھتے ہیں"

پھر فرمایا۔
"میری امت کے وہ لوگ جو پہلی بحری جنگ لڑیں گے وہ سب جنتی ہوں گے"

بحری جنگ لڑنے والوں کے لیے جنت کی بشارت سن کر ام حرامؓ نے التماس کی کہ دعا فرما دیں کہ وہ بھی ان برگزیدہ مجاہدین میں شامل ہوں۔ پھر حضورؐ نے دعا فرمائی اور ان کو بتایا کہ ہاں! وہ ان میں ہوں گی۔ کھانا ابھی تیار نہ ہوا تھا پھر اونگھ گئے اور پہلے کی طرح مسکراتے اٹھے۔ خاتون نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔

کا میری امت کا وہ پہلا لشکر جو قیصر روم کے دارالخلافہ (قسطنطنیہ) پر جا کر جنگ لڑے گا۔ وہ سارے کا سارا جنت میں جائے گا"

ام حکیم نے پھر التماس کی وہ بھی اس لشکر میں شامل کی جائیں۔ مگر حضور نے فرمایا۔ "نہیں! تم ان میں نہ ہو گی"

اس خواب کا ہر حصہ پورا ہوا۔ بحری جنگ لڑی گئی۔ ام حرامؓ اس میں شامل ہوئیں مگر قبرص میں سیر کرتے ہی گھوڑے سے گر کر فوت ہو گئیں۔ یعنی وہ بحری جنگ میں شامل ہوئیں۔ مگر بعد میں لڑی جانے والی قسطنطنیہ کی جنگ میں شامل نہ ہو سکیں۔ (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب اور ان کے معانی:

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھ کو ایسی باتیں دی گئی ہیں جن کے الفاظ تھوڑے اور معانی بہت ہیں اور میرا رعب دشمنوں پر ڈال کر میری مدد کی گئی۔ پھر فرمایا۔

ایک بار میں سو رہا تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں لا کر میرے ہاتھوں میں دے دی گئیں۔ (بخاری)

اس خواب کی تفسیر میں محدثین نے ان کے جامع الکلام ہونے کی فضیلت کو سامنے رکھا ہے۔ یہ تو اس خواب کی فوری تعبیر تھی۔ لیکن امام محمد بن سیرین اور ان کے استاد ابوہریرہؓ کے علم تعبیر کی رو سے خواب میں بہت سی کنجیاں ملنے سے مراد حکومت اور بادشاہت ملنے کی خوشخبری ہے۔ جب کہ ایک کنجی سے اگر دروازہ کھولا جائے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ کسی صاحب قوت کی مدد سے ان کا کوئی مسئلہ حل ہو جائے گا

تعبیر خواب کے ان اصولوں کی روشنی میں جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خواب دیکھا جائے تو اس کی ایک ہی تعبیر ہے کہ ان کو دنیا کی حکومت ملے گی۔ اس تعبیر کی روشنی میں ان کے خواب کو دیکھیں تو ان کے وصال کے وقت ان کے زیر نگیں علاقہ کا رقبہ ۱۰ لاکھ

مربع میل تھا۔ جب کہ ان کے خلفاء راشدین کے عہد تک اسلامی سلطنت ہندوستان سے افریقہ تک پھیل چکی تھی اور پھر اس کی وسعت میں اضافہ ہوتا گیا۔

خوابوں کی قسمیں:

حضرت ابو ہریرۃ رضؓ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ در رسالت پر علم سیکھنے میں گذار دیا۔ انہوں نے تعبیر خواب کا علم اپنے عالم باعمل شاگرد محمد ابن سیرین کو سکھایا۔ وہ اپنے استاد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔

خواب تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو نفسیاتی خیالات کے دوسرے شیطان کا ڈراوا۔ اور تیسرے اللہ کی طرف سے خوشخبری۔

(بخاری)

انہوں نے خواب کی ہر قسم واضح کردی۔ اگر اس اصول کی روشنی میں فرائیڈ کا علم تعبیر خواب سامنے رکھیں تو مسئلہ مزید واضح ہو جاتا ہے۔ علم نفسیات والے خوابوں کو روزمرہ کے واقعات سے مرتب ہونے والے استعاروں کا مجموعہ قرار دیتے ہیں یا لاشعور کا پرتو کہا جاتا ہے۔ اس کو ابو ہریرہ رضؓ کی پہلی اور دوسری قسم کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے جب کہ بشارت والا حصہ چونکہ فرائیڈ جیسے احساس کمتری میں مبتلا لامذہب شخص کی عقل سے باہر تھا۔ اس لیے وہ اسے کوئی اہمیت نہ دے سکا یا اس کے ہم عقیدہ یہودیوں کو بشارتوں پر مشتمل خواب نہیں آتے تھے۔ اس لیے خواب سے حاصل ہونے والی خوشخبری ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

حضرت انس بن مالک رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

میرے بعد رسالت اور نبوت ختم ہو جائے گی۔ یہ بات لوگوں کی بڑی شاق گذری تو آپ نے فرمایا۔ لیکن مبشرات باقی ہیں"

لوگوں نے پوچھا مبشرات کیا ہیں تو ارشاد ہوا ہے یہ مسلمان کا خواب ہے جو کہ

نبوت کے حصوں میں سے ہے۔ (جامع ترمذی)

ایک اور روایت میں حضرت ابو الدرداءؓ کے واسطہ سے قرآن مجید کی آیت۔

لهم البشرٰی فی الحیٰوة الدنیا ------

کے بارے میں بتایا کہ اس سے مراد وہ اچھے خواب ہیں جن کو ایک مومن مسلمان دیکھتا رہتا ہے۔

مبارک خوابوں کے سلسلہ میں ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت جحش کا خواب بڑا ہی دلچسپ ہے۔

انہوں نے اپنی گود میں سورج اور چاند گرتے دیکھے۔ یہ وہ وقت تھا جب لشکر اسلام نے قلعہ خیبر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے اپنا یہ خواب اپنے والد کو سنایا۔ وہ اس خواب سے استنے برانگیختہ ہوئے کہ بیٹی کے منہ پر گھونسہ مار دیا۔ اور کہا کہ تم خیبر کی شکست کے خواب دیکھ کر ہم سے دشمنی کر رہی ہو۔ اگلے دن خیبر واقعی فتح ہو گیا اور اس خاتون کو جب ام المومنین بننے کی سعادت میسر آئی تو اس نے یہ واقعہ حضورؐ سے بیان کیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ نے خواب میں دیکھا کہ تین چاند آ کر ان کے حجرے میں گر گئے۔ انہوں نے یہ خواب اپنے والدِ گرامی سے بیان کیا تو وہ تعبیر کرنے کی بجائے چپ رہے۔ کچھ مدت بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خواب یاد دلاتے ہوئے بتایا کہ وہ تین چاند جو تم نے اپنے حجرے میں اترتے دیکھے تھے۔ یہ ان میں ایک تھا جو سب سے بہتر بھی تھا۔ (مالک)

اس کے بعد اسی حجرہ میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ دفن ہوئے اور ان کے حجرے میں تین چاند آنے والی خواب پوری ہوئی۔ لیکن ہر خواب نہ تو بشارت بنتی ہے اور نہ ہی ان کے معانی ہونے ضروری ہیں۔

حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ

کہ ترازو کے ایک پلڑے میں جو آسمان سے اترا اس میں آپ ابوبکر سے تولے گئے۔ آپ بھاری نکلے ۔ پھر ابوبکر اور عمر تولے گئے ۔ ابوبکرؓ بھاری نکلے پھر عمر اور عثمانؓ تولے گئے۔ عمر بھاری نکلے ۔ پھر میزان اٹھالی گئی۔ آپ کے چہرے پر خواب سن کر کراہت واضح تھی۔ (ترمذی)

خواب کی اقسام کو متعین کر دینے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز صبح کی نماز کے بعد لوگوں کے خواب سنتے اور تعبیر بتاتے۔ اس سے اصحابہ کرام نے آہستہ آہستہ تعبیر خواب کا پورا علم ان سے سیکھ لیا ۔ ان کا تعلیمی اسلوب یہ تھا کہ پہلے وہ اپنے خواب سناتے تھے۔ پھر لوگوں کے سنتے اور ان کے حل کرنے کا اصول بیان کرتے۔ مگر وہ خواب جن میں صرف ذہنی خلفشار کا اظہار تھا ان کو شیطان کی شرارت قرار دے دیا جاتا تھا کیونکہ نفس امارہ بھی تو ایک شیطان ہے۔

تعبیر خواب بطور ایک علم :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم علوم و فنون کا ایک یکتا نمونہ تھے ۔ انہوں نے علم الکلام سے لے کر علم طب تک کے ہر مسئلہ پر پوری طرح راہبری عطا فرمائی اور ان کے ارشادات کو لوگوں نے اپنی اپنی پسند کے موضوعات کے مطابق تدوین کر لیا ۔ جیسے کہ علم الامراض اور علاج کے بارے میں محمد بن ابوبکر ابن السنی سے لے کر محمد بن ابو بکر ابن القیم تک "طب نبوی" کے مجموعے مرتب ہوتے رہے اور آج بھی یہ کتابیں نہ صرف کہ شائع ہو رہی ہیں بلکہ ان کے معالجات ایسی ایسی بیماریوں میں کامیاب ہیں جن میں جدید علاج ناکام رہے ۔

اسی طرح تعبیر خواب کے موضوع پر ان کے شاگردوں میں سے عبداللہ بن مسعودؓ، ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ، امام حسنؓ، سمرہ بن جندبؓ اور دوسرے اصحابہ کرام نے اپنے شاگردوں کو یہ علم سکھایا ۔ ان شاگردوں میں حضرت انسؓ کے آزاد کردہ غلام محمد بن سیرینؒ کو شہرت دوام حاصل ہوئی ۔ آج تک یہ علم تعبیر کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں ان کے علاوہ دوسرے علماء بھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک صاحب تصنیف ہے۔

ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں ۔

امام محمد ابن سیرین رضؓ ——— کتاب الجامع

امام جعفر صادق رضؓ ——— کتاب التقسیم

امام جابر مغربی رحؒ ——— کتاب الارشاد

امام ابراہیم کرمانی رحؒ ——— کتاب الدستور

امام اسماعیل بن اشعث رحؒ ——— کتاب التعبیر

حضرت دانیال علیہ السلام ——— کتاب الوصول ۔

حافظ ابن اسحاق رحؒ ——— نے کتاب التعبیر ۔ کتاب حمل الالائل والمنامات ۔ کتاب میادی التعبیر

امام فخری رحؒ ——— نے ایضاح التعبیر لکھیں ۔

فن تعبیر پر ایک جید کتاب چھٹی صدی ہجری میں ابو الفضل حسین بن ابراہیم محمد تقلیسی نے متقدمین کی ۱۲ کتابوں سے تلخیص کر کے سلجوقی سلطان قزل ارسلان ثانی والئی روم کو پیش کی اور اس کتاب کا اردو ترجمہ "کتاب الرویا" کے نام سے آج بھی چھپ کر مقبولیت پا رہا ہے ۔

علماء تعبیر کی اہمیت :

تعبیر خواب کے عالم کو عربی میں "معبر" کہتے ہیں ۔ اگرچہ علماء نے تعبیر کے چھ متقدمین کو یکساں قرار دیا ہے ۔ لیکن شہرت اور صلاحیت کے لحاظ سے محمد بن سیرین رحؒ کو برتری حاصل ہے ۔ شیخ ابن حجر عسقلانی ان کی تعریف میں لکھتے ہیں ۔

محمد بن سیرین کامل العلم ، ثقہ ۔ پہاڑ کی طرح مضبوط علامہ تعبیر ، مملکت ورع و تقویٰ کے سرتاج ۔ امام حسن بصری سے بھی زیادہ ثابت قدم اور مستقل مزاج تھے ۔

انہوں نے جلیل القدر خادم رسول انس بن مالک رضؓ کے گھر میں پرورش پائی ۔ ان سے آزادی

لے کر بھی ان کی خدمت میں حاضر رہے اور ان کے کاتب کے فرائض ادا کیے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ حسن بن علیؓ۔ معاویہ بن ابی سفیانؓ۔ رافع بن خدیجؓ۔ جندب بن عبداللہ۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور دوسرے متعدد اصحابہ کرام سے احادیث کی روایت کی ہے۔ اور ان میں بزرگان اور خاص طور پر حضرت ابوہریرہؓ اور انسؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ تعبیر خواب کا علم سیکھا۔ امام بخاری اور مسلم نے ان کو احادیث کے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ امام ذہبی نے سنت نبوی کی روشنی میں تربیت پانے والے مختلف بزرگوں کے کمالات کی ایک فہرست مرتب کی ہے جن میں مختلف فنون کے برگزیدہ عمائد مندرجہ ذیل ہیں۔ جیسے کہ۔

تفسیر قرآن ——— عبداللہ بن عباسؓ

قرأت ——— نافعؒ

فقہ حدیث ——— امام شافعیؒ

شجاعت ——— خالد بن ولیدؓ

تعبیر خواب ——— محمد بن سیرینؒ

امام احمد بن حنبلؒ کی تحقیقات کے مطابق انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت کے دوران حج کیا اور مکہ معظمہ میں ابن زبیرؓ۔ زید بن ثابتؓ اور عکرمہؓ سے احادیث کی تعلیم پائی ان بزرگوں نے جس علم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اسے آگے بڑھایا۔ اور تاریخ اسلام کے ہر دور میں بزرگان دین نے لوگوں کے خواب سنے۔ ان کی تعبیر کی اور معبر کہلائے۔ خدا تعالےٰ نے اس علم کو اتنی اہمیت والا قرار دیا کہ قرآن مجید نے حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تعبیر عطا ہونے کو فضیلت قرار دیا۔ اسی باعث حضور اقدسؐ نے بھی اسے اہمیت عطا فرمائی اور اچھے خواب کو بشارت قرار دی بلکہ اسے نبوت کا حصہ قرار دیا۔ پھر فرمایا کہ میرے بعد بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے خواب کے ذریعہ اچھی باتوں کا پتہ چلتا رہے گا۔ خوشخبریوں کی نوید اور سنت نبوی کے پیش نظر علماء دین نے تعبیر کا علم سیکھا۔ اس کی تدوین کی۔ خواب کے اوقات تعبیر کی شرائط اور معبر کی ذمہ داریاں متعین کیں۔ امام جابر مغربی کا ارشاد ہے کہ تعبیر خواب۔ میں راز داری

ضروری ہے اور خواب کو توجہ سے سن کر بالکل اسی طرح غور کر کے تعبیر تلاش کی جائے جیسے کہ کوئی طبیب مریض کے علامات کو سنتا اور سان کی روشنی میں تشخیص کرتا ہے۔

ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تک نے تعبیر خواب کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہے تعبیر خواب کا علم جدید نفسیات کا کمال ہے۔

تعبیر خواب کے جدید نظریات اور اسلام:

ماہرین نفسیات نے خوابوں کو روزمرہ کی زندگی کے واقعات کا اعادہ قرار دیا ہے اگرچہ مختلف ماہرین ان کے اس باب اور تعبیر پر اپنے اپنے نظریات رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی کسی خواب کی براہ راست تعبیر کے قائل نہیں وہ خواب دیکھنے والے سے تفصیلی گفتگو کرنے۔ اس کے معمولات کو جاننے اور اس کی شخصیت اور لاشعور سے واقف ہونے کے بعد ہی تعبیر بتا سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک خواب نامکمل خواہشات۔ نفرتوں اور مشاہدوں کا مظہر ہوتا ہے۔ ہر گروہ اپنی اپنی کوشش سے کھینچ گھسیٹ کر اپنی مرضی کا مطلب نکال لیتے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ کسی ایک خواب کی ہر جگہ سے یکساں تعبیر میسر نہیں آسکتی یعنی تمام تر ترقیات کے باوجود ماہرین خوابوں کے استعاروں پر آج بھی متفق نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید نفسیات نے تعبیر خواب کے علم کو پرانے زمانہ کے توہمات سے نکالا ہے۔ آج کے لوگ خواب دیکھنے کے بعد وہ حرکتیں نہیں کرتے جو زمانہ قدیم کے لوگ کیا کرتے تھے۔ مگر جہالت کا یہ مظاہرہ غیر مسلموں تک محدود تھا۔ کیونکہ تاریخ کے پہلے مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا تو اس کی تعبیر کی حضرت دانیال دوسروں کو بھی خوابوں کے مطلب سمجھاتے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام تعبیر خواب کے باضابطہ علم کے بانی تھے۔ انہوں نے بڑی بڑی معرکہ کی تعبیریں کیں جن کی سند توریت مقدس اور قرآن مجید سے میسر ہے۔

خوابوں کے ذریعے موصول ہونے والے پیغامات کو علم کی صورت میں بیان کرنے اور

ان کی تعبیر کا علم باقاعدہ سکھانے میں اولیت کا شرف حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں نظر آنے والی چیزوں کی ندوین کی اور ڈراؤنے خوابوں سے بچنے کی ایسی مفید اور عمدہ ترکیب بتائی کہ وہ آج بھی اسی طرح موثر ہے۔ جس طرح کہ ان کے عہد میمون میں تھی۔ حدیث شریف کے ہر مجموعہ میں ان کی بارگاہ سے میسر آنے والے خوابوں کے علم کا باب "کتاب الرویا" کے نام سے موجود ہے۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ درآمدہ چیزوں کو دیکھ کر ہم ایسے متاثر ہوتے ہیں کہ پھر کچھ دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کارل مارکس نے اپنے اشتراکی فلسفہ کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر رکھی۔ جہاں اس نے اپنی عقل لگائی وہیں پر مار کھا گیا۔ فرائیڈ چونکہ خود احساس کمتری کا شکار، دائم المریض اور مردم بیزار یہودی تھا۔ اس لیے وہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر خواب کے علم کے لیے رجوع نہیں کر سکتا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تعبیر خواب کو باقاعدہ علم کی شکل دینے والے ماہر نفسیات کا نام محمد بن عبداللہ علیہ الصلوۃ والسلام تھا اور جس نے یہ علم ان سے حاصل کیا۔ اس کو کبھی غلطی نہیں لگے گی۔

شادی اور اس کے مسائل

MARITAL PROBLEMS

زمین پر انسان کے آباد ہونے کے بعد اس کے لیے اہم ترین مسئلہ خوراک اور درندوں سے محفوظ رہنے کا تھا۔ تحفظ ذات کے ان مسائل کا مقابلہ کرنے میں جسمانی کمتری کی وجہ سے عورت نسبتاً غیر محفوظ تھی۔ تجربات سے معلوم ہو چکا تھا کہ لوگ اگر مل جل کر رہیں تو وہ آسودگی حاصل کرتے ہیں۔ یہ اجتماعی مساکن عام طور پر چشموں اور پانی کے ذرائع کے قریب اور باغات سے نزدیک ہوتے تھے۔ جانوروں میں بھی نر اور مادہ کے مل کر اور علیحدہ سکونت کا طریقہ مروج ہے۔ لیکن خواتین نے محسوس کیا کہ وہ اگر ایک مرد کی ہو کر رہیں تو ان کو بہتر نگہداشت میسر آسکتی ہے۔ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ زراعت اور دوسرے ذرائع معاش میں ساتھ دینے کے علاوہ اس کی خوراک کو تلاش اور تیار کرنے کا کم محنت طلب کام کر سکتی تھیں اور اس طرح ان کے ساتھی مرد کو ذریعہ معاش پر زیادہ وقت دینے کا موقع مل سکتا تھا۔

تقسیم کار کا یہ طریقہ اگرچہ مفید تھا لیکن دونوں شریک یہ توقع کر سکتے تھے کہ ان کا ساتھی کسی وقت ان سے کسی اور کو بہتر پا کر ان کو چھوڑ نہ دے۔ مثلاً عورت کے لیے یہ عین ممکن تھا کہ وہ کسی زیادہ خوبصورت یا زیادہ پیسے والا کوئی مرد پائے تو پہلے کو چھوڑ دے اور اسی قسم کا اندیشہ عورت کو بھی لاحق ہوتا تھا کہ اس کا مرد زیادہ خوبصورت عورت دیکھ کر اور کوئی زیادہ کام کرنے والی عورت مل جانے پر پہلے والی کو چھوڑ دے۔ ان معاشی اور ذاتی لالچوں کے ساتھ بڑھاپا تلخ حقیقت کے طور پر موجود تھا۔ جس طرح پرندے برسات سے پہلے اپنے گھونسلہ کو مضبوط کرتے اور مشکل دنوں کے لیے خوراک کا ذخیرہ کرتے ہیں اسی طرح آخری وقت کی دہشت کا خیال مرد اور عورت کو یکساں طور پر بندوبست کی ضرورت کی طرف متوجہ کرتا رہتا تھا۔ عورت چاہتی تھی کہ اس کا ساتھی مرد اور بچے اس کے

بڑھاپے میں خبر گیری کے لیے موجود ہوں اور اسی قسم کی خواہش مرد کے دل میں بھی موجود ہو سکتی تھی اس مشکل کا پہلا حل تو یہ تھا کہ عورت مرد سے وعدہ لے کہ وہ کسی بھی حالت میں اس کو نہ چھوڑے گا اور اسی قسم کا وعدہ مرد بھی لے سکتا تھا۔ وقت اور تجربات سے معلوم ہوا کہ زبانی وعدے مستقبل کی گارنٹی نہیں بن سکتے۔

شادی کا ارتقاء:

جب ایک مرد اور عورت آپس میں مل کر رہنے اور ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کا وعدہ کر لیں تو اس وعدہ کو شادی کا نام دیا گیا۔ شادی کی تعریف کے مطابق یہ ملاپ مستقل نوعیت کا ہونا چاہیے۔ اس تعریف کے لحاظ سے بندھن میں اگر کوئی تیسرا فرد شامل ہو جائے یا ان میں کسی وجہ سے علیحدگی کی نوبت آجائے تو ان کے یہ عمل شادی کی بنیادی تعریف کے خلاف ہوں گے اس لیے کہ شادی صرف ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان زندگی گزارنے کا اقرار نامہ ہے۔

انسان ہر دور میں کسی نہ کسی ان دیکھے معبود کی عبادت کرتا رہا ہے۔ کبھی تو اپنے معبود کو پتھر یا لکڑی سے تراش کر اپنے سامنے رکھ لیا اور کبھی سورج ۔ چاند یا ستاروں کو اس کا پرتو قرار دے کر ان کی عبادت کرتے رہے۔ معبود کو سامنے رکھ کر عبادت کرنے کے مسئلہ کو علامہ اقبال نے خوب واضح کیا ہے ؎

ذوق حضور در جہاں رسم صنم گری نہاد
عشق فریب می دہد جان امیدوار را

چونکہ ابتدائی لوگوں کو معبود کی دہشت زیادہ ہوتی تھی اس لیے ترکیب یہ نکالی گئی کہ ساتھ رہنے اور ہمیشہ نباہ کرنے کا اقرار معبود کے سامنے کیا جائے۔ مذہبی پیشواؤں نے اس عمل میں خود کو بھی شامل کر لیا اور اس طرح شادی کا وعدہ معبود کے سامنے یا اس کے نام پر معبد کے پجاری کے ہاتھوں انجام پانے لگا۔ قبائلی تہذیب کی ابتداء سے لے کر آج بھی شادی خدا یا دیوتاؤں کو حاضر ناظر جان کر پجاریوں ۔ پنڈتوں یا پادریوں کے ہاتھ

سے مکمل ہوتی ہے۔

ارتقاء کے لحاظ سے انسان بھی ایک جانور ہے۔ بڑے جانور گھر بنا کر رہتے ہیں جس میں وہ اپنی مادہ اور بچوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ اگرچہ ان کا عمومی ملاپ یک ازدواجی ہوتا ہے لیکن انسان اپنی سرشت کے لحاظ سے POLYGAMOUS ہے۔ اگرچہ تعدد ازدواج جانوروں میں بھی ہے لیکن ہر گروہ میں اس کی عملی شکل مختلف ہے۔ جیسے کہ ایک نر اور ایک مادہ ایک موسم اکٹھے گزارتے ہیں جب کہ دوسرے موسم کے آنے اور بچوں کے جوان ہونے کے بعد دونوں اپنے ساتھی تبدیل کر لیتے ہیں۔ دنیا کے اکثر مذاہب میں دو بیویوں کا رواج نہیں۔ حالانکہ توریت مقدس میں تعدد ازدواج کا ذکر کثرت سے ملتا ہے اور کسی جگہ بھی اس عمل کی مذمت نہیں ملتی۔ انجیل مقدس میں بھی ایسا کوئی حکم موجود نہیں جس سے دوسری شادی کی ممانعت ہوتی ہو۔ یہی حال ہندو مذہب کا ہے بلکہ بھگوان کہلوانے والے متعدد راجاؤں کی درجنوں رانیاں تھیں۔ اس کے باوجود پنڈت دوسری شادی کو جائز نہیں کہتے۔ اسلام پہلا ضابطہ حیات ہے جس نے تعدد ازدواج کی اجازت دی مگر شرطوں کے ساتھ۔ قرآن مجید نے اس بارے میں فرمایا۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی وثلٰث وربٰع،
فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ۔ (النساء: ۳)

(نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں۔ چاہے وہ دو ہوں یا تین یا چار۔ اور اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم ان کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے)

اس آیت کے اہم نکات میں پسند کی عورت سے شادی کرنے کے علاوہ تعدد ازدواج کی اجازت تو موجود ہے مگر اس صورت میں بیویوں کے درمیان ہر چیز برابر ہوگی اور کسی کو ترجیح نہیں دی جائے گی۔

بیویاں اگر ایک سے زیادہ رکھی ہوں تو ان کے درمیان انصاف کی شرط کا مظاہرہ ہمیں پیغمبر اسلام کی زندگی سے میسر آتا ہے۔

ہر بیوی کو یکساں معاش اور لباس مہیا ہوتا تھا۔
ہر بیوی کی باری مقرر تھی اور کسی کو عدم توجہ کی شکایت کا موقع نہ ملتا۔
سیر اور سفر کے موقعہ پہ قرعہ ڈال کر ہم سفر ہونے والی بیوی کا انتخاب ہوتا تھا۔
جب حضورؐ زیادہ بیمار ہوتے اور ان کے لیے روزانہ گھر بدلنا ممکن نہ رہا تو انہوں نے حضرت عائشہ کے گھر میں ایام علالت گذارنے کے لیے دوسری بیویوں سے باقاعدہ اجازت لی۔

جس طرح مرد کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ ایک بیوی کے ہوتے ہوتے دوسری بیوی لے آتے اسی طرح قبائلی تہذیب میں یا ان علاقوں میں جہاں عورتوں کی قلت ہے یہ عورت ایک سے زیادہ خاوند رکھ سکتی تھی جیسے POLYANDRY کہتے ہیں۔ پرانے زمانے کی یہ عادت آج بھی بھارت کے جنوبی علاقوں۔ تبت۔ آسٹریلیا کے قبائل اور افریقہ میں پائی جاتی ہے۔ دو خاوندوں کا مسئلہ معاشی لحاظ سے مشکل ہے۔ کیونکہ ان کے درمیان آقابت اور حسد کے علاوہ اخراجات کی تقسیم، اولاد کی ربوبیت قسم کی ایسی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کو آسانی سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ مشہور ہے کہ بھارتی پنجاب کے بعض دیہات میں کئی بھائیوں کی ایک ہی مشترکہ بیوی کا رواج موجود ہے۔ بھارتی ٹیلی ویژن نے دیہاتی زندگی کے بارے میں پچھلے سال ایک ڈرامہ نشر کیا تھا جس میں چچا اور بھتیجا کی ایک ہی بیوی سے مشترکہ اولاد تھی اگرچہ یہ عادت ہر ملک اور معاشرے میں اب پسندیدہ نہیں سمجھی جاتی مگر اس کے باوجود کسی مذہب نے اس کی صریح مذمت نہیں کی۔ بلکہ ہندوستان کی مشہور کہانیوں میں دروپدی کا قصہ موجود ہے۔ جس کے پانچ پانڈو شوہر تھے۔ جبکہ اسلام پہلا معاشرہ ہے جس نے اسے واضح طور پر غیر فطری اور حرام قرار دیا ہے۔

ہندو مذہب میں نکاح :

ہندو مذہب کی الہامی کتابوں میں شادی کو ایک مقدس رشتہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے شادی اگنی دیوتا کی پرتو یعنی مقدس آگ کے سامنے کی جاتی ہے۔

شادی سے پہلے پنڈت اس امر کا تعین کرتے ہیں کہ خاوند بیوی کے درمیان
نہ صرف کہ خونی رشتہ کوئی نہ ہو بلکہ ایک ہی برادری میں بھی رشتہ کرنے
کی ممانعت ہوتی ہے۔ اس کے بعد جوتشی اور پنڈت ان کی شادی کے
نتائج کا زائچہ نکالنے کے بعد ایسا دن تلاش کرتے ہیں جس دن بیاہ کرنے
سے ان کی قسمت پر اچھا اثر پڑے۔ سنا گیا ہے کہ مبارک دن اور وقت
نکالنے کا عمل یقینی نہیں ہوتا۔ جوتشی حضرات خاندانوں کی دلچسپی کے مطابق
ان کی مرضی کا دن نکال دیتے ہیں سارے دن خدا کے ہیں اور کسی کو مبارک اور
کسی کو نحس کہنا محض خوش فہمی ہے۔

مقررہ وقت شادی کا منڈپ کیلے کے درخت کے پتوں، پھلوں اور ناریلوں سے
سجایا جاتا ہے۔ پنڈت درمیان میں آگ جلا کر اشلوک اور منتر پڑھتے ہوئے گھی ڈالتا جاتا
ہے۔ جب وہ اپنا ورد پورا کر لیتا ہے تو دولہا کی پگڑی کے ساتھ دلہن کا آنچل باندھ کر
ان سے مقدس آگ کے گرد سات پھیرے لگوائے جاتے ہیں۔ اس دوران منتروں کے ساتھ
ان پر خوشبوئیات چھڑکے جاتے ہیں۔

ان کے مذہبی عقائد کے مطابق یہ بیاہ مقدس آگ کے سامنے شاستروں کی برکت
کے ساتھ جب پڑھ لیا گیا تو اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی

سوامی دیانند سرسوتی نے "ستیارتھ پرکاش" میں بیاہ کی گیارہ قسمیں قرار دی ہیں
جن میں سے آگ کے گرد پھیرے لگانا ایک قسم ہے۔ جب کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو
زبردستی اٹھا کر لے جائے تو وہ بھی نکاح ہے جسے راکھش بواہ کا نام دیا گیا۔ جیسے کہ
پرتھوی راج راجہ جے چند کی بیٹی سنجوگتا کو زبردستی اٹھا کر لے گیا اور اسے نکاح ہی تصور کیا
گیا۔ جنگل میں اگر کوئی اکیلی عورت مل جائے تو اس سے بغیر گواہ گندھرب بواہ ہو جاتا ہے۔

اگرچہ ہندو مذہب میں شادی کو مستقل حیثیت حاصل ہے مگر اس میں عورت کو کسی
قسم کا کوئی حق حاصل نہیں۔ شادی سے پہلے جہیز کے نام پر دولہا کو اپنی حیثیت سے بڑھ کر
نقدی دیتے ہیں۔ لڑکے والے بڑھ چڑھ کر اتنے مطالبات کرتے ہیں کہ کم جہیز لانے والی

لڑکیاں خودکشی پر مجبور ہو جاتی ہیں یا پھر وہ پہلی بہو کو ہلاک کر کے دوسری کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔ بیوی اپنے خاوند کو بھگوان سمجھ کر اس کی پوجا کرتی ہے۔ اس سے پہلے کھانا کھانے کی اجازت نہیں اور اگر وہ مر جاتے تو اسے منحوس قرار دیا جاتا ہے۔ خاوند کا دم نکلتے ہی اس کی چوڑیاں پتھر مار کر توڑ دی جاتی ہیں۔ مانگ سے سیندھور نکال دیا جاتا ہے آرائش و زیبائش کا تمام سامان چھن جاتا ہے اور رنگ دار یا ریشمی لباس پہننا ممنوع ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی اتنی اجیرن کر دی جاتی ہے کہ اسے موت کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہ آتے۔ اور اگر وہ عذاب کی زندگی گذارنے کی بجائے خاوند کے ساتھ چتا میں جل مرنا قبول کرلے تو معاملات آسان ہو جاتے ہیں۔ اسے پورے میک اپ اور عمدہ لباس کے ساتھ ناچتے گاتے شراب پلا کر آگ میں پھینک دیا جاتا رہا ہے۔ راجہ رام موہن رائے کی تحریک اور برطانوی وائسرائے لارڈ بنیٹنگ نے ہندوستان سے ستی ہونے کی رسم ختم کی۔ مگر اکا دکا واقعات اب بھی سننے میں آجاتے ہیں۔

بیوہ کو نکاح کی ممانعت ہے۔ دوسرے بھی اس سے نکاح کا حوصلہ نہیں رکھتے کیونکہ اس کا خاوند مرگیا اور وہ منحوس ہے۔

عورتوں پر ظلم۔ جلنے اور جلانے کے واقعات۔ نکاح بیوگان وغیرہ قسم کی سماجی پابندیوں کے خلاف اب ہندو عورتیں اپنے مذہب سے بغاوت کر رہی ہیں۔ انہوں نے بھارتی پارلیمنٹ سے ہندو کوڈ بل منظور کروایا ہے۔ جس کے مطابق جہیز مانگنا جرم ہوگیا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ان کی اپنی مذہبی تعلیمات کے خلاف اور اسلام کے اصول مستعار لے کر کیا گیا ہے۔ اب ہندو عورت طلاق لے سکتی ہے۔

سکھ مذہب میں شادی:

حضرت بابا نانک ہندو ہونے کے باوجود اسلام سے متاثر تھے۔ انہوں نے گرنتھ صاحب کو قرآن مجید اور احادیث سے متاثر ہو کر لکھا اور متعدد شبد قرآن مجید کی آیات کا من وعن ترجمہ ہیں۔ انہوں نے شادی بیاہ میں سادگی کا پرچار کیا ہے۔ لیکن تفصیلات نہیں دیں۔ چونکہ

قوم ہمیشہ سے ہندوں سے زیادہ قریب رہی ہے۔ اس لیے شادی کرنے کا طریقہ بالکل وہی ہے جو ہندو مذہب میں ہے۔ البتہ نقد جہیز کا رواج نہیں۔ ابتدا میں شادی کا طریقہ یہ تھا کہ زن یقین گوردوارہ میں گرنتھی کے سامنے بیٹھ جاتے تھے وہ ایجاب و قبول کے بعد برکت کے لیے گرنتھ صاحب کے چند اشلوک پڑھ کر ان کے لیے دعائے خیر کر دیتا تھا مگر اب وہ باقاعدہ لگن منڈپ سجاتے اور آگ کے گرد سات پھیرے لگاتے ہیں۔

سکھ مذہب میں دوسری شادی اور طلاق پر کوئی پابندی نہیں۔ لیکن ان کے یہاں عام طور پر ایسا کرنے کا رواج نہیں۔

پارسیوں میں شادی:

پارسی مذہب کے بانی ابراہیم زرتشت کے بارے میں اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ بلکہ محدثین نے یہ ثابت کیا یا کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید میں جس ذوالقرنین کا ذکر ملتا ہے وہ یہ زرتشت ہیں اور انہی نے شمال سے آکر لوٹ مچانے والوں کو روکنے کے لیے لوہے کی دیوار بنائی تھی۔ اگرچہ مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ کے خیال میں ذوالقرنین کوئی اور ہے لیکن پارسی مذہب پر اسلام کے غالب اثرات اب بھی موجود ہیں۔

شادی کے لیے نہ صرف کہ دونوں کی پسند ضروری ہے بلکہ کسی مشترکہ دوست کے گھر میں ان کو ایک یا دو ملاقاتوں میں مل کر ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ لاہور کے ایک عالیشان گھر میں ایک نہایت معزز خاتون نے اس قسم کی ابتدائی ملاقاتوں کا انتظام کیا ہوا تھا۔ یہ خاتون ان کو سمجھنے کا موقعہ فراہم کرتی تھی۔ اس دوران ان کی اپنی گرہ سے خاطر مدارات کرتی تھی اور اگر ان کے درمیان کسی مسئلہ میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی تھی تو اسے سلجھانے میں اپنی ذاتی کوشش پورے خلوص سے شامل کر کے رشتہ طے کروا دیتی تھی۔

رشتہ طے ہونے کے بعد منگنی کی مختصر سی تقریب، میں دونوں طرف کے لوگ شامل ہو کر شادی کی تاریخ طے کرتے ہیں، شادی والے دن ایک دعوت منعقد ہوتی ہے جس کا خرچ

دونوں پارٹیاں مل کرادا کرتی ہیں۔ وہاں پر مذہبی پیشوا "دستور" ان کا نکاح پڑھتا ہے جس میں مقدس آیات کی تلاوت کے بعد ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کی جاتی ہے۔ پھر دولہا دلہن مختصر عرصہ کے لیے آتش کدہ میں عبادت کے لیے جاتے ہیں۔ مگر اس دوران دعوت جاری رہتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد جوڑا دوبارہ آکر ان میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور مبارک وصول کرکے نئی زندگی شروع کردیتا ہے۔ خاوند کو دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن طلاق ہوسکتی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ لاہور کی پارسی برادری میں کبھی بھی طلاق نہیں سنی گئی۔

عیسائی مذہب میں شادی اور رہبانیت:

کتاب مقدس میں شادی کا ذکر ۲۱ مقامات پر آیا ہے جن میں سے ۳ جگہیں انجیل مقدس میں ہیں اور لفظ نکاح صرف ایک مرتبہ مذکور ہے۔ ان تمام جگہوں پر شادی کا تذکرہ صرف دعوت اور جشن کے بیان میں ملتا ہے۔ جب کہ شادی کی ترکیب یا تفصیل کا بیان کہیں بھی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود شادی نہ کی تھی ان کے عہد مبارک میں کسی حواری کی شادی بھی نہ ہوتی۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ عیسائی مذہب میں نکاح یا شادی کی کوئی ترکیب مذکور نہیں۔ بلکہ سچے عیسائی تو حضرت مسیح کی سنت پر عمل کرتے ہوئے عمر بھر کنوارے رہ کر رہبانیت اختیار کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح کے باب میں قرآن مجید رہبانیت کی مکمل نفی کرتا ہے۔

وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رافۃ ورحمۃ ورھبانیۃ ن ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم۔ (الحدید: ۲۷)

(ہم نے اس کو ماننے والوں کے دلوں میں مہر و محبت کے ساتھ اپنی رحمت کو شامل کیا ہے۔ مگر ترک دنیا ہم نے ہرگز نہیں بتائی بلکہ ان کی یہ اپنی ایجاد ہے)

انجیل مقدس میں کسی جگہ ترک دنیا اور گوشہ نشینی یا رہبانیت کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ قرآن مجید

کے ارشاد کے مطابق اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت بعد لوگوں نے شروع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ترک دنیا کا رواج سینٹ پال کی ایجاد ہے۔ اصولی طور پر سینٹ پال کو کوئی ایسی بات کہنے کا حق حاصل نہ تھا جو حضرت مسیح نے خود نہ کہی ہو۔ ترک دنیا کرنے والے راہب اور راہبائیں گرجوں سے ملحق ہوسٹلوں میں رہتے ہیں۔ ان کو دنیادی معاملات آرائش و زیبائش سے نفرت سکھائی جاتی ہے۔ عورتوں کے سر مونڈ دیتے جاتے ہیں۔ یہ لوگ سالوں جسم کو صاف نہیں کرتے۔ ایسے ایسے راہب بھی گذرے ہیں۔ جنھوں نے بیس بیس سال تک غسل نہ کیا۔ ان کے جسم سے اٹھنے والی بدبو کو دور کرنے کے لیے یوڈی کولون ایجاد ہوئی ہے۔

ترک دنیا کرنے والے راہب شادی نہیں کرتے۔ جب یہ شادی نہیں کرتے تو پھر ان کے ذہنی اقدار کا کیا حال ہوتا ہے۔ ہم اس پر بحث نہیں کرتے مگر جنس انسان کی بنیادی جبلتوں میں سے ہے۔ برطانوی مفکر تحفظ ذات کی خواہشات کی تکمیل کو شادی کا نام دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص شادی نہیں کرتا تو وہ تحفظ ذات کی اہمیت چھوڑ دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کے ذہن، کردار اور عمل میں جو تبدیلیاں آتی ہیں۔ وہ اس کے ذہن کو بیمار اور کردار کو ہمیشہ کے لیے داغ دار کر دیتی ہیں۔ تندرست رہنے کے لیے شادی ضروری ہے۔

اسلامی جنگوں کے دوران ایک پر فضا مقام سے گذرتے ہوئے اصحابہ کی ایک جماعت نے اجازت چاہی کہ وہ بقایا زندگی اسی جگہ یاد خدا میں گذار دیں تو حضور اکرم ؐ نے ان کو منع کیا کہ اسلام ترک دنیا نہیں سکھاتا۔ ہم لوگ معاشرہ میں رہ کر بھرپور زندگی گذاریں گے اور لوگوں کو بھی سکھلائیں گے کہ خوشگوار سماجی زندگی کیونکر گذاری جا سکتی ہے۔

چونکہ رہبانیت فطرت اور انسان کے حیاتیاتی تقاضوں BIOLOGICAL NECESSITIES کے خلاف ہے اس لیے وہ تاریخ کے کسی بھی دور میں کامیاب نہیں ہو سکی بلکہ عیسائیوں میں بھی یہ رواج صرف رومن کیتھولک عقیدہ کے لوگوں تک محدود ہے۔ کینیڈا کا ماہر امراض ولیم بائیڈ اپنی کتاب الامراض میں لکھتا ہے۔

"رات کو گرجوں سے آہ وفغاں کی جو آوازیں آتی ہیں وہ مناجات یا دعا کے سلسلہ میں نہیں ہوتیں بلکہ یہ ان پادریوں کی چیخیں ہوتی ہیں جو ہڈیوں میں جنسی بیماریوں کی وجہ سے درد سے بے حال ہوتے ہیں"

شادی کی عام ترکیب میں شادی کرنے والے گرجا میں منبر کے متصل پادری کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ کتاب مقدس کی چند آیات بطور برکت پڑھ کر ان سے سوال کرتا ہے کہ۔

"تم فلاں ولد فلاں وعدہ کرتے ہو کہ تندرستی اور بیماری۔ غربت اور امارات۔ خوشی اور غمی کی ہر حالت میں اس عورت ...... کو اپنی بیوی قبول کرتے ہو؟

جب مرد تین مرتبہ اقرار کر لیتا ہے تو اسی قسم کا سوال لڑکی سے تین بار کیا جاتا ہے۔ جس کے بعد پادری یہ اعلان کرتا ہے۔

"میں خدا اور اس کے فرزند اور روح القدس کے نام پر تم کو زن و شوہر قرار دیتا ہوں اور اب تمہیں اس پاک اور مقدس رشتہ سے صرف موت ہی جدا کر سکتی ہے"۔

اس مرحلہ پر مرد اور عورت ایک دوسرے کو انگوٹھی پہناتے ہیں۔ چرچ آف انگلینڈ کے رواج کے مطابق نکاح پڑھنے سے پہلے پادری تین مرتبہ اعلان کرتا ہے کہ اگر کسی کو ان کے نکاح پر اعتراض ہو تو وہ اب بولے ورنہ آئندہ خاموش رہے۔

تمام متمدن عیسائی ممالک میں پادری کا پڑھایا ہوا نکاح اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ اسے رجسٹرار کے پاس درج کروا کر شادی کا سرٹیفکیٹ نہ حاصل کیا جائے لوگ اب دو مرتبہ کے جھنجھٹ میں پڑنے کی بجائے براہ راست نکاح رجسٹرار کے پاس چلے جاتے ہیں۔ اس باب میں بحری جہازوں کے کپتان اور فوجوں کے کمانڈر بھی نکاح خوانی کا اختیار رکھتے ہیں۔ یہ صورت حال واضح کرتی ہے کہ مسلمانوں سے شادی کا طریقہ مستعار لے کر اس میں اپنی دانست کے مطابق تبدیلیاں کرنے کے باوجود لوگ نکاح کے لیے دینی پیشوا کے

پاس جانے سے احتراز کررہے ہیں۔

عیسائی رواج کے مطابق تعدد ازدواج ناجائز ہے۔ وہ نکاح جو مقدس منبر کے زیر سایہ خداوند اس کے فرزند اور روح القدس کے نام پر پڑھا گیا۔ طلاق سے ٹوٹ نہیں سکتا۔ لیکن پوپ اگر چاہے تو زمین پر مسیح کا نائب ہونے کی حیثیت سے کسی کو طلاق اور دوسری شادی کی اجازت دے سکتا ہے۔ انگلستان کے شاہ ہنری ہشتم نے جب اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے یا کسی اور سے شادی کی اجازت طلب کی تو اس نے انکار کر دیا۔ چنانچہ اس نے پاپائے روم سے مذہبی رشتہ توڑ کر انگلستان کے آرچ بشپ آف کنٹربری کو مسیح کا نائب مقرر کر دیا جس نے دوسری شادی کی اجازت دے دی۔ اور پھر وہ شادیاں کرتا ہی رہا۔

انگلستان کے شاہ ایڈورڈ ہشتم نے ایک مطلقہ خاتون مسز والس سمپسن سے شادی کرنی چاہی تو برطانوی پارلیمنٹ کی جانب سے وزیراعظم نے اعتراض کیا کہ عیسائی مذہب میں چونکہ طلاق کی اجازت نہیں۔ اس لیے مسز سمپسن آج بھی مسٹر سمپسن کی بیوی اور بادشاہ کسی دوسرے کی بیوی سے شرعی طور پر نکاح نہیں کر سکتا۔ چونکہ بادشاہ اپنے القابات کے لحاظ سے DEFENDER OF THE FAITH بھی ہے۔ اس لیے اس کا کوئی عمل مسیحی تعلیمات کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ البتہ بادشاہ اگر چاہے تو اس عورت کو بطور داشتہ گھر ڈال سکتا ہے۔ جس پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ اقتدار پر عشق غالب آیا۔ اس نے تخت چھوڑ کر اس مطلقہ سے شادی کر لی۔ اس ایک واقعہ کے علاوہ انگلستان اور امریکہ میں نصف سے زیادہ شادیاں طلاق پر منتج ہوتی ہیں۔ مطلقہ مرد اور عورتیں روزانہ شادیاں کرتے ہیں اور چرچ نے ان کے خلاف کبھی آواز نہیں اٹھائی بلکہ کسی پادری نے کبھی مطلقہ مرد یا عورت کے نکاح سے انکار نہیں کیا۔ اگر طلاق جائز نہیں تو پھر دوسرا نکاح مسیحی عقائد کی رو سے حرام ہے۔ لیکن وہ بھی مجبور ہیں کہ ان کے مذہب نے انہیں مشکل میں ڈال دیا ہے اور لوگ حلال اور حرام کے پورے مسئلہ سے منکر ہو گئے ہیں۔

شادی کا جدید انداز :

سکنڈے نیویا کے ممالک کو جنسی آزادی یا بے راہ روی میں بڑی شہرت حاصل ہے۔ فحش فلموں اور اسقاط حمل پر یہاں کوئی پابندی نہیں۔ اسی لیے یہ لوگ اکثر بری باتوں کے پیش رو ہوتے ہیں۔

سویڈن کے پڑھے لکھے طبقے میں شادی کی ایک نئی قسم شروع ہوتی ہے۔ جسے ان کی اصطلاح میں MARRIAGE BY CONSCIENCE۔ کا نام دیا گیا ہے۔ اس شادی کی ترکیب یہ ہے کہ ایک مرد اور عورت ایک دوسرے کو پسند کرنے کے بعد اکٹھا رہنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اس فیصلے کے بعد نہ تو وہ کسی گرجا میں جاتے ہیں اور نہ ہی رجسٹرار کے دفتر میں ان کی شادی کا اندارج ہوتا ہے۔

جن کے پاس ذرائع ہیں وہ اپنی اس "ضمیری شادی" کا اخبار میں اعلان چھپوا دیتے ہیں یا دوستوں کی دعوت کر دیتے ہیں۔

اس قسم کی شادی کو اب قانونی تحفظ بھی حاصل ہو گیا ہے۔ اگر کوئی جوڑا لگاتار دو سال تک اکٹھا رہے تو ان کی شادی کو قانوناً تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ ان کی اولاد کو قانونی طور پر وراثت کا حقدار قرار دیا جاتا ہے۔

ٹینس کے عالمی چمپین کے ساتھ ایک لڑکی مدت سے رہائش پذیر تھی۔ اسی دوران اسے عالمی شہرت ملی تو لوگ اس کے گھر بار کے بارے میں معلومات چھاپنے لگے اور معلوم ہوا کہ اس کی شریک رہائش لڑکی اب امید سے ہے۔ لوگوں کے اصرار کے بعد اس نے بچی کی پیدائش کے بعد شادی کر لی۔ یونان کے وزیر اعظم کی عمر ۶۵ سال سے زائد ہے وہ ایک ۳۰ سالہ لڑکی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی اچھی بھلی بیوی موجود ہے۔ چونکہ یونان کے قدیم کلیسا کے رواج کے مطابق وہ ایک بیوی کی موجودگی میں نہ تو دوسری شادی کر سکتے ہیں اور نہ ہی پہلی بیوی کو طلاق دے سکتے ہیں۔ اس لیے وہ کسی باقاعدہ شادی کے بغیر ایک عورت کو ساتھ رکھتے ہیں اور اخبارات میں ان کی تصویروں کے نیچے مرد وزیر اعظم یونان

اوران کی گرل فرینڈ ،، لکھا ہوا ہوتا تھا ۔ اٹلی کا آمر مسولینی اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے پٹاکی نامی ایک لڑکی رکھتا تھا۔

جب اسے سزائے موت ہوئی تو یہ لڑکی بے چاری محض اس کی داشتہ ہونے کے جرم میں گولیاں مار کر ہلاک کر دی گئی۔ یورپ کے بعد اب امریکہ میں باقاعدہ نکاح کو پسندیدگی کی نظر نہیں دیکھا جا رہا۔ حالانکہ ایسی زندگی عیسائی مذہب کی رو سے بھی ناجائز ہے۔

باقاعدہ نکاح اور اس کے اندراج کا سب سے بڑا فائدہ عورت کو ہوتا ہے۔ کیونکہ شادی کے کچھ عرصہ بعد جسمانی تبدیلیوں اور زچگیوں کے نتیجہ میں اس کی جسمانی ہیئت خراب ہو جاتی ہے۔ جسمانی ہیئت کی خرابی۔ عمر کی زیادتی اور بچوں کی موجودگی کی وجہ سے اسے بعد میں کوئی اور اچھا آدمی آسانی سے نہ مل سکے گا۔ اگر اس نے باقاعدہ نکاح کروایا ہوتا تو اس کے بچوں کی کفالت اور اس کی اپنی نگہداشت شوہر کی قانونی ذمہ داریاں تھیں۔ یہ درست ہے کہ سویڈن اور بعض دوسرے ممالک میں ساتھ رہنا شادی کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آپس میں تحریری اقرار نامہ یا نکاح نامہ نہ ہونے کی وجہ سے عدالت میں بہت سی چیزوں کا بار ثبوت مدعیہ کے ذمہ ہوگا اور شوہر کے لیے فرار کی آسان ترین صورت تاریخ کی گڑبڑ یا یہ عذر پیش کرنا ہو سکتا ہے کہ یہ میرے گھر میں بطور کرایہ دار رہی اور ادھر ادھر گھومتی رہی اس لیے کفالت کی ذمہ داری نہیں لے سکتا ۔

نکاح نامہ عورت کے اپنے مفاد میں ہے ۔ مگر اس کے باوجود خواتین اپنی زندگی داؤ پر لگا رہی ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ مغربی معاشرہ میں طلاق کا مسئلہ بڑا مشکل ہے۔ اس لیے نکاح کو باقاعدہ بنانے کے بعد اگر گڑبڑ ہو جائے تو عدالتی کاروائی کے اخراجات کے ساتھ وکیلوں کے معاوضے۔ جاسوسوں کے اخراجات کے بعد کر دار کشی کی مصیبت سے بہتر یہ ہے کہ نکاح نہ کیا جائے۔

چونکہ نکاح اور طلاق کے طریقے جدید معاشرتی تقاضوں کے مطابق نہیں اس لیے لوگ مذہب سے دل برداشتہ ہو رہے ہیں۔ امریکہ میں زیادہ تر نکاح گرجوں کی بجائے عدالتوں یا دوسرے غیر مذہبی اداروں میں پڑھے جاتے ہیں۔

اسلام میں شادی اور طلاق کا نظام :

عالمی مذاہب میں شادی کے اسلوب کے ذکر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان میں سے کوئی بھی طریقہ معاشرے کے تقاضوں کے مطابق نہیں۔ اسی لیے لوگ شادی کرنے کے لیے اپنے مذاہب کے طریقوں سے بدکنے لگے ہیں۔ اسلام نے انسانی زندگی کے اسلوب اور وقت کی ضروریات کا ایسا لحاظ رکھا ہے کہ یہ ہر دور اور ہر ملک میں پورا اترتا ہے۔

سب سے پہلا مسئلہ پہلے مذاہب پر غلط عمل کرنے والوں کی رہبانیت کی بدعت کا رد ہے۔ ہندو مذہب کے پرچارک۔ بدھ کے بھکشو، سادھو جوگی اور عیسائی راہب چونکہ شادی نہیں کرتے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے نکاح کی اہمیت واضح فرمائی۔

سمرۃ بیان کرتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن التبتل وقرا قتادۃ (ولقد ارسلنا رسلا من قبلک، وجعلنا لھم ازواجا وذریۃ)۔

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجرد اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ اس روایت کو بیان کرنے والے قتادہ نے اضافہ کیا کہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے ہیں جن کی بیویاں بھی تھیں اور اولاد بھی)۔

اس روایت میں انہوں نے اپنی گرامی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے قرآن مجید سے اضافی حوالہ بھی شامل کر دیا کہ جب خدا کے سب نبی شادی کرتے اور صاحب اولاد تھے تو تم ان کی اس سنت سے کیوں روگردانی کرتے ہو؟

حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ اصحابہ کرام آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ ایک نے کہا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ ہمیشہ نماز

پڑھتا رہوں گا اور نیند کے قریب نہ جاؤں گا۔ کسی نے کہا کہ میں زندگی بھر روزے رکھتا رہوں گا۔

ان باتوں کی خبر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ لوگوں میں اس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی جاتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں یاد رکھو جو کوئی میری سنت سے روگردانی کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں۔

(بخاری۔ مسلم)

صحابہ کرام میں جن صاحبوں کی شادی نہ ہوئی تھی ان کو مجبور کیا گیا وہ شادی کریں بلکہ یہاں تک فرمایا گیا کہ شادی کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا خطب احدکم الی المرأة فان استطاع ان ینظر منها الی مایدعوه الی نکاحها فلیفعل ۔ (ابوداؤد)

(جب کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اسے دیکھ لے جو کہ اس کو نکاح کی جانب لادے)

اس کے علاوہ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں جو مسلم اور نسائی نے بیان کی ہے ایک شخص انصاری عورت سے شادی کر رہا تھا تو اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ پہلے اسے دیکھ لے کیونکہ انصار کی عورتوں میں نقص ہوتا ہے۔ اسی مضمون کی ایک روایت حضرت مغیرہ سے ترمذی اور نسائی نے بیان کی ہے۔ جس میں ایک شخص کو نصیحت فرمائی گئی کہ وہ نکاح سے پہلے لڑکی کو دیکھ لے کیونکہ ایسا کرنا ان کے درمیان الفت کا باعث ہوگا۔

شادی سے پہلے مرد اور عورت کا ایک دوسرے کو دیکھنا صرف ان حالات میں مفید ہو سکتا ہے جب جنس مخالف کے ساتھ ان کے اپنے تعلقات اور واقفیت کا کوئی سلسلہ موجود نہ ہو۔ مغربی معاشرہ میں ہر عورت کے جاننے والے مردوں کی تعداد خاصی معقول

ہوتی ہے۔اور اسی طرح مردوں کی جان پہچان بھی خواتین کے حلقہ میں محدود نہیں ہوتی۔ عام حالات میں ان کی پسند بڑی اچھی ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنے مستقل کے رفیق کے انداز اطوار رہن سہن اور ذہنی رجحان سے واقف ہوتے ہیں۔ ایسے میں ان کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ نباہ کرلینا آسان ہونا چاہیے۔ لیکن حقیقت حال میں ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ شادی کے تھوڑے دن بعد ہی ان کو ایک دوسرے میں ناقابل قبول غلطیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ دونوں کے لیے سابقہ ملاقاتوں کا ذکر طعنہ کی شکل اختیار کرنے کے علاوہ عدم توجہ اور بے وفائی کی الزامات پیدا ہونے لگتے ہیں اور یوں تقریباً پچاس فی صدی شادیاں طلاق پر منتج ہوتی ہیں۔ اور جن کی طلاق نہیں ہوتی وہ ایک گھر میں اجنبی کی زندگی گذارتے ہیں۔ اچھی طرح دیکھ بھال میل جول اور طبیعتوں کو جان کر کی جانے والی شادیوں میں کامیاب ہونے والی تعداد ۲۵ فی صدی سے زیادہ نہیں ہوتی۔

اپنے ہونے والے ساتھی کو دیکھ لینا اچھی بات ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں مفید ہوگا جب وہ ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہوں جہاں عورتوں کے تعلقات دوسرے مردوں کے ساتھ یا مردوں کے غیر عورتوں کے ساتھ نہ ہوتے ہوں۔ اسلام کا طریقہ اسی صورت میں مفید ہے جب آپ اسلامی معاشرہ میں رہ کر انتخاب کریں اور غیر محرم مرد یا عورت کسی کی زندگی میں داخل نہ ہو۔

نکاح میں عورت کی رضامندی کو اسلام میں اتنی اہمیت حاصل ہے کہ اس کا باپ بھی اس کی مرضی کے بغیر نکاح نہیں کرسکتا۔ نکاح کے موقعہ پر یہ ضروری ہے کہ لڑکی کی رضامندی پوچھی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ البتہ لڑکیوں کی روایتی شرم و حیا کے پیش نظر ارشاد نبوی ہے۔

اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھا جائے۔

اس سلسلے کا عملی مظاہرہ یوں ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا نکاح کرنے کا ارادہ کرتے تو آپ پردے کے پیچھے جا کر اس سے مخاطب ہو کر فرماتے

کہ فلاں فلاں شخص تمہارا رشتہ طلب کر رہا ہے۔ اگر وہ پردہ کو ہلا دیتیں تو
آپ نکاح نہ کرتے۔ الواضحہ نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ اگر وہ انگلی سے
کھٹکا کرتیں تو بھی نکاح نہ کیا جاتا۔ اگر وہ خاموش رہتیں تو نکاح کر دیا جاتا

(مصنف عبدالرزاق)

اس کے مقابلے میں اگر عورت کسی مرحلہ پر یہ اظہار کرے کہ نکاح میں اس کی رضامندی
نہ تھی یا اس سے پوچھا نہ گیا تو نکاح منسوخ ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کنواری لڑکی حاضر ہوئی۔
اس نے کہا۔ یارسول اللہ! میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر
دیا ہے۔ اور مجھ سے مشورہ نہیں کیا۔ کیا مجھے اپنے معاملے میں کچھ اختیار
ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "ہاں۔ تجھے اختیار ہے
اس لڑکی نے کہا کہ میں اپنے باپ کی بات کو مسترد کرنا نہیں چاہتی۔ لیکن
میں عورتوں کو یہ بتا دینا چاہتی تھی کہ انہیں اپنے بارے میں اختیار ہے
یا نہیں"

اسی طرح کی ایک روایت یحییٰ بن ابن کثیر نے دی ہے جس میں رضامندی پوچھے بغیر
ایک کنواری اور ایک بیوہ کا نکاح منسوخ فرما دیا۔

اسلام میں نکاح کی تیاری اور عمل:

حضرت محمد بن حاطبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔

فصل ما بين الحلال والحرام الدف والصوت
(ترمذی۔ نسائی)

(حلال اور حرام کے درمیان فرق صرف آواز اور ڈھولک ہے)

شادی کے موقع پر ڈھولک بجانا اور غنا اسلام کے بنیادی احکام میں سے ہیں اس زمانہ کی ڈھولک میں پردہ ایک طرف لگا ہوتا تھا۔ جسے دف کہتے تھے۔ اس بات کو حضرت عائشہ صدیقہؓ مزید وضاحت کے ساتھ یوں بیان فرماتی ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا ھذا النکاح و جعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف۔

(ترمذی)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح کا اعلان کرو۔ (یعنی اسے لوگوں میں مشہور کرو) اس کو مسجدوں میں پڑھو اور اس موقعہ پر بہت سے ڈھول بجاؤ۔

اس ارشاد گرامی میں ایک ڈھول کی بجائے ان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی کئی ڈھول بجائے جائیں۔ مجمع عام میں پڑھا گیا نکاح جس کے ساتھ ڈھول بھی بجیں سب کے علم میں ہو گا۔

اور جب اتنے سارے لوگوں کے سامنے ایک اقرار عمل میں آئے گا تو اس سے مکرنا اور تعلق توڑنا آسان کام نہ ہو گا۔

نکاح کی مجلس میں لڑکی کی رضامندی معلوم ہو جانے کے بعد نکاح پڑھنے والا نکاح کا خطبہ پڑھتا ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی توحید کے اقرار کے بعد قرآن مجید کی وہ آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن میں مردوں کو عورتوں کے ساتھ نیک سلوک اچھے برتاؤ کی نصیحت کے بعد خدا اور رسول کی پیروی کے فوائد سے استفادہ کرنے کی تلقین ہوتی ہے۔ پھر دولہا سے تین مرتبہ قبولیت کا اقرار لینے کے بعد تمام حاضرین مجلس ان کی خوشگوار ازدواجی زندگی کے لئے دعا کرتے ہیں سارے شرعی امور کو سرانجام دینے کے بعد مٹھائی، کھجوریں یا چاکلیٹ تقسیم ہوتے ہیں۔

اسلام میں شادی کے کھانے کا کوئی تصور نہیں۔ لڑکی والے اپنی بیٹی کا نیا گھر شروع

کرنے کے موقع پر اگر کوئی ابتدائی امداد دینا چاہیں تو وہ جائز ہے۔ ایسے موقعہ پر نبی صلی اللہ وآلہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کو جو جہیز دیا وہ ایک مثالی تحفہ ہے۔ اس میں ہر چیز گھر میں روزمرہ ضرورت کی تھی جیسے چکی۔ گدا، مشکیزہ۔ اس کے علاوہ دولہا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دلہن کو کوئی نقد رقم۔ یا تحفہ اس موقعہ پر دے۔ حضرت علیؓ کے پاس چونکہ زر نقد نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی زرہ بیگم کو شادی کے تحفہ میں دے دی۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ امیر آدمی تھے انہوں نے کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونا دیا۔ ایک اور صاحب جن کے پاس دنیادی مال ومتاع میں کچھ بھی نہ تھا کہ دلہن کا مہر قرآن مجید کی تعلیم قرار پایا۔

کیونکہ اسلام میں تعلیم کی اہمیت ہمیشہ سے زر نقد سے بھی زیادہ اہم ہے جنگ بدر میں اسیران جنگ کے لیے فدیہ مقرر تھا۔ لیکن جو زر نقد نہ رکھتے ہوں وہ بچوں کو تعلیم دے دیں تو یہ بھی زر نقد ہی سمجھا گیا۔

نکاح کے بعد سب سے اہم تقریب یا مسنون دعوت ولیمہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں لوگوں کی پنیر۔ گھی اور کھجور سے حلوہ بنا کر تواضع کی اسے حلوہ حیس کہتے ہیں۔ حضرت زینبؓ کے ولیمہ میں کھانا کھلایا گیا۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کو ہدایت فرمائی گئی کہ ولیمہ وہ ضرور کریں خواہ ایک بکری پکا لیں۔ فتح مکہ کے موقع پر وہاں کے آئندہ گورنر ابن ابی اسیدؓ کی دعوت ولیمہ میں حضور اکرمؐ خود شریک ہوتے اور ان کی خدمت میں دلہن نے پہلے کھجوروں کا پانی پیش کیا اور پھر کھانا حاضر کیا۔

عورت کے حقوق :

ہر مرد کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اچھا کھلائے اور پلائے۔ اس ضمن میں حضرت عائشہؓ کے پاس چند خواتین کی شکایت کا تذکرہ بڑا دلچسپ ہے۔

خواتین اجڑے چہروں اور پھٹے پرانے لباس میں آئیں اور کہا کہ ہمارے خاوند ہمہ وقت تمہارے میاں کے پاس حاضر رہتے ہیں۔ ان کو اپنے معاشی

مسائل اور نمازوں سے اتنی فرصت ہی نہیں کہ ہم پر توجہ دے سکیں۔ ان کی اس شکایت کا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو انہوں نے ایک خصوصی خطبہ میں لوگوں کو اپنی بیویوں کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی عورتیں چند دنوں بعد آئیں تو اچھے لباس کے علاوہ زیورات سے آراستہ تھیں۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کا شکریہ ادا کیا اور مشکوری کے اظہار میں ان کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن ڈالے گئے۔

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں ان کی تاکید دل کا یہ عالم تھا کہ ان کی آخری وصیت بھی اسی موضوع پر تھی۔ حضرت عمر رضؓ نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ ہم لوگ بیویوں کو ڈنڈے کے زور سے سیدھا رکھتے تھے اب آپ کے احکام کے بعد میری بیوی کو اتنی جرات ہو گئی ہے کہ وہ مجھ سے مطالبات کرنے لگی ہے۔ کسی مرد کو بدچلنی کے علاوہ کسی بھی صورت میں عورت کو مارپیٹ کی اجازت نہیں۔ خواتین جب بھی شکایات لے کر آتی تھیں تو ان کو پوری توجہ دی جاتی تھی۔ بلکہ جدید نفسیات کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ حضور اکرمؐ نہ صرف کہ صحیح معنوں میں MARRIAGE COUNCILLING کرتے تھے بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے بھی ہدایات صادر ہوتی تھیں جن کی روشنی میں خوشگوار ازدواجی زندگی ایک یقینی امر ہو جاتا تھا۔

ایک عورت نے شادی کے لیے مختلف اشخاص کے بارے میں مشورہ پوچھا تو فرمایا۔ ابوجہم تو اپنے کاندھے سے لاٹھی نیچے رکھتا ہی نہیں اور معاویہ قلاش آدمی ہے۔ اس لیے تم اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کر لو۔

(بحوالہ قیصیتہ الرسول)

اسلام دنیا کا وہ پہلا نظام حیات ہے جس نے عورت کو اپنی مرضی کرنے کی اجازت دی اور اسے خاوند کی جائیداد کا باقاعدہ حصہ دار بنایا۔ خاوند کے مرنے کے بعد اولاد والی عورت کا آٹھواں حصہ پہلے نکالا جاتے اور بقایا اولاد میں تقسیم ہو جب کہ بے اولاد عورت چوتھائی کی حصہ دار ہے۔

اسلام میں طلاق :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے جن چیزوں کو جائز قرار دیا ہے۔ ان میں سے طلاق ایک ایسا کام ہے۔ جس پر عمل سے خدا کو خوشی نہیں ہوتی۔ جو شخص خاوند اور بیوی کے درمیان مناخرت پیدا کرنے میں کوئی کردار رکھے وہ لعنتی ہے۔ بلکہ یہاں تک فرما دیا کہ ان دونوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔

خاوند۔ بیوی کے فرائض۔ ذمہ داریوں اور حقوق کے تعین کے بعد اور ان کو آوارگی اور بدچلنی سے روکنے کی ہدایات کے بعد اس امر کے وسیع امکانات ہیں کہ ان کے درمیان مستقل نوعیت کا کوئی جھگڑا نہ ہوگا۔ ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ زن و شوہر کے جھگڑے میں مصالحت کی کوشش کرے اور اس جھگڑے کو ہوا دینے والا دین محمدی سے خارج ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید نے طلاق کے لیے متعدد شرائط مقرر کی ہیں جن میں سے اہم ترین یہ ہے کہ خاوند طلاق دے کر ایک ماہ انتظار کرے پھر دوسری طلاق دے۔ اور اسی طرح وقفہ کے بعد تیسری طلاق دے۔ اس وقفہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر فوری اشتعال غلط فہمی کی وجہ سے کوئی بات ہو گئی ہو تو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا موقعہ مل جاتے۔ البقرہ۔ النساء۔ الاحزاب، النور کی سورتوں میں اس سلسلہ میں اہم احکامات مذکور ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

طلاق وقفوں سے دی جاتے۔ اور یہ وقفہ ایام ماہواری سے متعین کیا جائے۔

اگر ماہواری نہ آ رہی ہو یعنی بیوی کو حمل ہو تو اس دوران طلاق نہیں ہوتی۔

طلاق کے ساتھ مہر دیا جائے۔

خاوند نے بیوی کو اچھے دنوں میں جو کچھ بھی دیا ہے اسے واپس لینا ناجائز ہے۔

طلاق کے بعد عورت مزید کچھ دن انتظار کرے۔ تاکہ اگر اسے حمل ہو تو وہ ظاہر ہو جاتے۔

طلاق مکمل ہونے کے بعد خاوند کو اسی عورت سے دوبارہ شادی کی صرف اس صورت میں

اجازت ہے جب وہ کسی اور سے شادی کرے اور وہ شخص بھی اسے اپنی مرضی سے طلاق دے دے۔ کچھ لوگ اس پابندی سے جان چھڑانے کے لیے حلالہ کرتے ہیں۔ عورت کی شادی کسی جعلی شخص سے اس شرط پر کر دی جاتی ہے کہ وہ کچھ دن بعد طلاق دے دے گا اور یہ خدا کے احکام سے فراڈ کے مترادف ہے۔ اور ایسا کرنا قطعاً ناجائز ہے۔

عورت اگر چاہے تو وہ اپنے حقوق سے دستبردار ہو کر خود طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اس کے لیے کسی جواز کا ہونا ضروری نہیں یہ طلاق خلع، کہلاتی ہے۔

قرآن مجید کے یہ اصول بعض جگہ وضاحت کے طلب گار تھے یا ان کی APPLIED FORM کو متعین کرنا ضروری تھا جن کے لیے خدا تعالیٰ نے علم نفسیات سوشیا لوجی کے ماہر اور متقن حضرت محمد مصطفیٰ[1] کو مامور فرمایا۔

حضرت محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دے دی ہیں آپ غصہ سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ پھر فرمایا۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب کا مذاق اڑاتا ہے۔ اور یہ ایسے میں ہو رہا ہے جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں،، اس مرحلہ پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اجازت چاہی کہ ایسے شخص کو میں جا کر قتل کر دوں۔

(النسائی)

اس کے جواز میں اور طلاق کی ترکیب میں علماء کرام کے درمیان ایک عرصہ سے کچھ اختلافی صورتیں تھیں۔ ایک مجلس میں تین طلاقیں انسانی کردار اور نفسیات کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی شخص کسی غلط اطلاع۔ مغالطہ۔ کسی شرارت یا دشمنی کے نتیجہ میں مشتعل ہو کر جلد بازی میں طلاق دے سکتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ چند دنوں بعد اس سبب کی اصلیت ظاہر ہو جائے۔ اگر تین طلاق ایک ہی مجلس میں ایک ہی وقت دے دی جائیں تو پھر اس سلسلہ میں مصالحت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس واقعہ کی بنا پر طلاق دی گئی

دی غلط ہو۔ شرعی صورت حال پر بحث کرنا ہماری اہلیت سے باہر ہے۔ لیکن پاکستان میں مسلم فیملی لاء آرڈی ننس کے نفاذ کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی ہے۔ اب طلاق دیکر خاوند اپنے عمل کی نقل سے یونین کونسل کو مطلع کرتا ہے۔ وہ خاوند بیوی کو بلا کر طلاق کے اسباب پر غور کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس افسوسناک عمل کی نوبت نہ آئے۔ نوے دن کے اس عرصہ میں بسا اوقات مصالحت ہو جاتی ہے۔

ایک تاجر نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور معاملہ ثالثی کونسل میں دو مہینے چلتا رہا۔ فریقین کو مصالحت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لیے وہ اجلاس میں شامل نہ ہوتے تھے۔ ایک روز چیئرمین کو احساس ہوا اور انہوں نے دونوں کے گھروں میں جا کر مناسب کارروائی کی اور آخری دن ان میں مصالحت ہو گئی۔ اس بات کو اب دس سال گذر چکے ہیں۔ مزید بچے بھی ہوتے اور اس سانحہ نے دونوں کو آئندہ کے لیے بردبار بنا دیا ہے۔

سعودی عرب میں ہر شخص کا قومی شناختی کارڈ ہمارے ڈرائیونگ لائسنس کی طرح کا ہے۔ جس کے آخری چند صفحات نکاح، طلاق اور خلع کے اندراجات کے لیے مخصوص ہیں۔ ہر شخص کے کارڈ سے پتہ چل سکتا ہے کہ اس نے کتنے نکاح کیے اور طلاقیں دیں اور اس کے لیے کسی خاندان کو اپنے ماضی کے بارے میں دھوکا دینے کی گنجائش نہیں رہتی۔

خاوند اور بیوی کے تعلقات میں اگر شکوک پیدا ہونے لگیں تو ان کا ازالہ مشکل امر ہے۔

عہد نبوی میں ایک آدمی نے اپنی بیوی پر بدچلنی کا الزام عائد کیا۔ اس کے پاس گواہ تو نہ تھا لیکن کئی مرتبہ قسم کھائی۔ اس کی بیوی نے بھی جواب میں کئی مرتبہ قسم کھا کر ارتکاب جرم سے انکار کیا۔ نبی صلی اللہ وآلہ علیہ وسلم نے اس دوطرفہ قسم کو طلاق قرار دے کر ان میں جدائی کروا دی۔

یہ واقعہ انسانی تعلقات، کردار اور بدظنی کی انتہائی صورت ہے۔ خاوند کو بیوی کی بدچلنی پر اس حد تک یقین تھا کہ وہ اسے ایک ایسی عدالت میں لے گیا جہاں جرم ثابت ہونے پر حدود اللہ کے مطابق سزائے موت ہو سکتی تھی۔ بیوی نے قسم کھا کر اسی بارگاہ میں ارتکاب جرم سے انکار کیا۔ جہاں سچائی کو جاننے کا بندوبست موجود تھا۔ اس باب میں عدالت کا اپنا طرز عمل بھی لوگوں سے تعلق کی شاندار مثال ہے۔ ان کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ فریقین کو واضح کر دیتے کہ ان کے سامنے جھوٹی قسم کھانے والے پر فوری عذاب نازل ہوگا یا وہ خدا سے اپنے تعلق کی بنا پر کہہ سکتے تھے کہ سچائی ان پر منکشف ہو سکتی ہے۔ اس لیے جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کی جاتے۔ مگر یہ سب کچھ ان کے بعد آنے والی عدالتوں کے بس میں نہ ہوتا۔ اس لیے انہوں نے اس معاملے میں وہی کچھ کیا جو ایک عام عدالت میں ممکن تھا فریقین کے درمیان ناگواری اور بدظنی آخری درجہ پر تھی۔ اگر ان کے درمیان صلح کرا دی جاتی تو ذہن میں جو چیز ایک مرتبہ گھر کر چکی تھی وہ کبھی نہ نکلتی اور اس طرح ان کی آئندہ زندگی جھگڑے اور فساد سے عبارت رہتی۔ مسئلے کا بہترین حل آج کے علوم کی روشنی میں بھی یہی تھا کہ وہ علیحدہ ہو جائیں۔

شادی کے مسائل اور ان کا حل:

شادی کا لفظ خوشی کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ دونوں کی طبیعت اگر مل جائے تو گھر جنت بن جاتا ہے اور اس سے الٹ جہنم کا منظر پیش کرتا ہے۔ پہلے مسئلہ یہ ہوتا تھا کہ دونوں کی سوچ مختلف ہے اس لیے نباہ نہیں ہو رہا۔ مگر اب صورت حال یہ ہے کہ دونوں کو بدراہ کرنے والے علیحدہ علیحدہ ذرائع کی تعداد وسیع ہے۔ لوگ شادی کرتے وقت عورت کی شخصیت کی بجائے اس کی دولت کا پتہ چلاتے ہیں۔

سمرسٹ ماہم کے ایک ناول میں مرکزی کردار ایک خاتون ہے۔ اس سے جو بھی بات کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس کے گلے پڑ جاتی ہے۔ اس سے ملنے والے مرد عام طور پر اس کے حسن اخلاق اور قابلیت کی تعریف سے بات شروع کرتے تھے۔ یہ چھوٹتے ہی

ان کو جھاڑ دیتی کہ مجھے اپنے حسن۔ حسن اخلاق۔ لباس کی عمدہ پسند اور خوش اخلاقی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ تم کونسی نئی بات کرو گے؟

ایک شخص بڑے اطمینان سے کہتا ہے کہ میں آپ کی ان چیزوں سے متاثر نہیں۔ میں نے تو اخباروں میں آپ کی مالی حالت کا جائزہ پڑھا ہے اور میں تو سچی بات ہے کہ آپ کی امارت سے متاثر ہو کر آیا ہوں۔

یہ ایک منفرد واقعہ نہیں لوگ بوڑھی عورتوں سے ان کی وراثت کی دلکشی کی وجہ سے شادیاں کرتے ہیں۔ بد چلنی کی خفیہ زندگی گذارنے کے ساتھ ساتھ امیر بیوی کے انتقال کو قریب لانے کی کوششوں میں مصروف رہ کر ایک ایسی زندگی گذارتے ہیں جسے شادی کا نام دینا بھی مشکل ہے۔ حال ہی میں آسٹریلیا کی ایک عورت کو جب یہ پتہ چلا کہ اس کے خاوند نے اپنی دولت کی وصیت کسی اور کے حق میں کی ہے تو اس نے سزا کے طور متوفی کا سر کاٹ کر حنوط کروا کر اپنے ڈرائنگ روم میں سجا دیا۔ اب وہ عدالت سے سزا کی منتظر ہے۔

مسائل اتنے بڑھ گئے ہیں کہ شادی کا پائیدار ہونا یقین کی بات، نہیں رہی سماجی بہبود کے اداروں اور یونیورسیٹوں کی طرف سے انہیں سلجھانے کے مراکز کام کر رہے ہیں۔ وی آنا یونیورسٹی میں شادی اور متعلقہ مسائل کے مشاورتی مرکز کی صوفی لینرڈ نے مسائل اور حل پر ایک کتاب مرتب کی ہے۔ جس میں اگرچہ مسائل کی نشاندہی کے ساتھ ان کے حل تجویز کیے ہیں لیکن اس کا نام ایسا بیہودہ رکھا ہے کہ وہ نفسیات کی کوئی تحقیقی کتاب ہونے کی بجائے فحاشی کا مظہر معلوم ہوتی ہے۔

مرد اور عورتیں اپنے اپنے لیے حقوق کے طلبگار ہیں۔ مگر حقوق کے ساتھ فرائض بھی وابستہ ہیں۔ فرائض کے بارے میں کوئی اصول متعین نہیں۔ مشرقی ممالک میں روایتی تقسیم کار اسی طرح تھی کہ خاوند کماتا اور تحفظ دیتا تھا۔ وہ امور خارجہ کا انچارج بھی تھا جبکہ عورت گھر سنبھالتی۔ کپڑے سینے۔ کھانا پکانے کے ساتھ خاندانی روابط کو قائم رکھتی تھی سماجی ضرورتوں اور مہنگائی کی وجہ سے اب عورتیں بھی ملازمت کر رہی ہیں۔ جب میاں اور بیوی صبح کو اپنے اپنے کام پر نکل جاویں تو ان کے بعد گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی نگہداشت بلکہ تربیت کسی کی

ذمہ داری نہ رہی۔ دن بھر کام کرنے کے بعد لوٹ کے آنے والے کافی دیر تک تھکاوٹ کی وجہ سے کس بات میں عملی دلچسپی کے قابل نہیں ہوتے۔ ان کے بچے اپنے اخلاق اور کردار کی تعمیر کے لیے ملازموں یا دیکھ بھال کے اداروں کی تحویل میں ہوتے ہیں اور اس کے بعد کی نسل اگر آوارہ اور جرائم پیشہ بن جائے یا وہ ماں باپ کی عزت نہ کریں تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں کیونکہ انہیں نہ تو ماں کی ماتنا ملی اور نہ ہی باپ کی شفقت میسر آئی۔

برطانیہ کے لوگوں کو بڑا شوق ہے کہ ان کی شادیاں لندن کے CAXTON HALL میں ہوں۔ اس ہال میں روزانہ درجنوں نکاح ہوتے ہیں۔ حکومت برطانیہ نے اپنے ملک میں طلاقوں کی بھرمار سے تنگ آکر ایک مرتبہ ROYAL COMMISSION ON MARRIAGE & DIVORCE مقرر کیا اور یہ کمیشن برطانیہ کے لارڈ چیف جسٹس لارڈ گوڈرڈ کی قیادت میں پادریوں وکیلوں۔ نفسیات۔ عمرانیات۔ سماجی بہبود کے ماہرین کی ایک متوقر جماعت۔ کیکسٹن ہال میں بیٹھ کر لوگوں سے شادی بیاہ کے مسائل کا مدتوں جائزہ لیتی رہی۔ اس کمیشن نے جب لوگوں سے تجاویز طلب کیں تو پاکستانی ڈاکٹر خالد غزنوی نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ اس سارے مسئلے کو اسلامی اصولوں کے مطابق قبول کریں۔ کمیشن نے ڈاکٹر غزنوی پر اسلامی اصولوں کی نوعیت اور فوائد پر پورے دو دن گفتگو کی۔ ان کو بتایا گیا۔

۱۔ نکاح مذہبی سرپرستی میں ہو۔ تاکہ فریقین کو ہمیشہ احساس رہے کہ وہ ایک قانون اور ضابطہ کے مطابق اس بندھن میں ہیں۔

۲۔ بیوی کے حقوق متعین کیے جائیں۔

۳۔ خاوند کی انتظامی سربراہی کو تسلیم کیا جائے۔

۴۔ گھروں میں غیر مردوں اور عورتوں کی مخلوط مجالس کا انعقاد جرم قرار دیا جائے۔

۵۔ طلاق عدالتوں میں ہونے کی بجائے آپس میں طے پائے۔ اگر اس کے اجراء کے بعد کوئی مشکل پیدا ہو تو اس صورت میں خصوصی عدالتیں یہ فرض انجام دیں۔

سعودی عرب میں اسلامی قوانین کی روشنی میں خاندانی مسائل کو حل کرنے والے قاضی علیحدہ بیٹھے تھے۔ ان کی عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کے لیے عورت کو کسی وکیل کی ضرورت نہیں

سادہ کاغذ پر درخواست دے کر کوئی بھی عورت پیش ہو سکتی تھی۔ اور عدالت کے پیش کار درخواست وصول کرتے ہی مدعا علیہ کو ٹیلی فون یا تھانہ کی معرفت اسی روز حاضر کر لیتے تھے۔ عدالت دونوں کی بات سن کر عام حالات میں اسی وقت فیصلہ کر دیتی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی ترکیب۔ اس کے عمل۔ حقوق اور فرائض کے باب میں ہر چیز کا واضح تعین کر کے شادی شدہ زندگی کو مفید اور کامیاب بنانے کا جو شاندار راستہ بتایا ہے وہ آسان ہی نہیں۔ بلکہ آج کے حالات میں بھی اتنا ہی مفید اور موثر ہے جتنا کہ وہ پہلے کبھی تھا۔ انھوں نے انسانی نفسیات کو سامنے رکھ کر دونوں کو ایک نظام میں اس طرح شامل کیا ہے کہ کسی کے لیے شکایت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

منشیات کا مسئلہ

NARCOTICS & ADDICTION

انسانی معاشرے میں منشیات کا استعمال ذہنی اور جسمانی خرابیوں کا باعث رہا ہے۔ اور ہے۔ زمانہ قدیم سے لوگ محض چسکا لینے کے لیے اور اس کے بعد عادت کی وجہ سے منشیات کا استعمال کرتے آتے ہیں۔ ہندوستان میں ایشیائے کوچک سے آنے والے آریہ اپنے ساتھ ایک FERMETED LIQUO "سوم رس" کا نسخہ بھی لے کر آئے تھے۔ ان کا رواج تھا کہ وہ تیوہاروں اور غم غلط کرنے کے لیے سوم رس پی کر موج مناتے تھے۔ پوست اور افیون بنیادی طور پر چین اور ہندوستان میں کاشت ہوتے ہیں۔ مندروں کے پروہت خود پوست گھوٹ کر پیتے تھے اور اپنے عقیدت مندوں کو پلاتے تھے۔ جسم پر راکھ مل کر ننگے بدن رہنے والے سادھو گرمی میں بھنگ پیتے تھے اور سردی روکنے کے لیے افیون اور سنکھیا کھاتے تھے۔

دیگر مذاہب میں بھی منشیات کو لوگوں نے عبادت میں داخل کر دیا۔ یہاں تک کہ انگور کی شراب میں خمیری روٹی بھگو کر معبدوں میں آج بھی متبرک کے طور پر دی جاتی ہے اور مخلص عقیدت مند بڑے اعتقاد سے کھاتے ہیں۔ میکسیکو اور کولمبیا میں CACTUS کا درخت اجاڑ علاقوں میں خود رو پیدا ہوتا ہے۔ جنوبی امریکہ کے اکثر علاقوں میں اس کی درجنوں قسمیں پائی جاتی ہیں۔ وہاں کے لوگوں کو احساس دلایا گیا ہے کہ یہ ایک مقدس پودا ہے اسی لیے مقامی طور پر اس کا نام SACRED MUSHROOM رکھا گیا بلکہ اسے GOD'S FLESH بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے کیمیاوی عناصر اعصاب کو پر سکون بناتے ہیں۔ لیکن یہ کیفیت الکحل کے مرکبات سے مختلف ہے بلکہ اسے استعمال کے بعد انسان کو خیالی چیزیں نظر آتی ہیں اور

وہ ڈرتا ہے۔ خیالی پلاؤ پکاتا ہے۔ استعمال کنندہ کا جی چاہتا ہے کہ وہ بار بار اس لذت سے آشنا ہو اور یہ لذت حقیقت میں ایک نفسیاتی کیفیت ہے جسے HALLICUNATIONS کہتے ہیں۔ اس کیفیت کا بار بار پیدا ہونا دماغی خرابی کا باعث ہوتا ہے اور اس کو کچھ مدت استعمال کرنے والے پاگل ہو جاتے ہیں۔ CACTUS کو اردو میں تھوہر اور عربی میں "الزقوم" کہتے ہیں۔ امریکہ میں اس کے کیمیاوی جوہر L S D کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے قدر دان نشہ کرنے کے بعد اپنی کیفیت کو HGH ہونے یا بلندی پر موجود ہونے کا نام دیتے ہیں۔ یہی صورت حال کوکین کے سلسلہ میں دیکھی جاتی ہے۔ کولمبیا، نکاراگوا اور دوسری جنوبی امریکی ریاستوں کے علاوہ اب بھارت میں بھی کوکین کا پودا کاشت کیا جا رہا ہے۔

سگمنڈ فرائیڈ وہ پہلا شخص تھا جس نے طب جدید میں کوکین کو آنکھوں کی جراحی کے دوران سن کرنے کے لیے استعمال کیا لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے ایک دوست کو اسے مقوی اعصاب دوائی کے طور پر دے کر اسے نشے کا عادی بنا دیا۔ سُن کرنے کے لیے یہ ایک مفید دوائی تھی لیکن جسم کے اندر یہ اچھائی اور برائی کا مرکب ہے۔ یہ وہ منفرد دوائی ہے جو ذہن سے تھکاوٹ کو دور کرتی ہے۔ خیالات کے سلسلہ کو مربوط کرتی ہے اور دماغی کام کرنے والوں کے لیے لاجواب تحفہ ہے۔ برطانوی ناول نویس ڈاکٹر آرتھر کانن ڈائل نے اپنے مستقل کردار شرلاک ہومز کو مسائل کے حل کے لیے کوکین کی نسوار لے کر کامیاب ہوتے دکھایا جس سے لوگوں کو اس کے سنہری اثرات سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ حالانکہ کانن ڈائل نے جو کچھ لکھا اس میں خوش فہمی زیادہ تھی۔ پیرو کے کسان کمزوری دور کرنے کے لیے اس کے پتے چباتے جاتے ہیں۔ اور طب جدید میں بیسویں صدی کے وسط تک EXTRACT COCA کو مقوی اعصاب سمجھ کر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ کوکین کی نسوار سے ناک میں سوراخ پڑ جاتا ہے۔ اس کو کھانے سے دماغی ہیجان اور HALLUCINATION پیدا ہوتے ہیں۔ اس صورت حال کو ماہرین نفسیات نے MENTAL EUPHORIA قرار دیا ہے۔ مریض ہوائی قلعے بنانے کا عادی ہو کر عملی زندگی سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ کام کے قابل نہیں رہتا۔ جسمانی کمزوری اور دماغی انحطاط کے باعث غذائی کمی اور جگر کی خرابیوں سے پاگل ہو کر

مرجاتا ہے۔

پوست۔ افیون۔ بھنگ۔ چرس اور ان کے مرکبات کے علاوہ آج کل افیون سے حاصل ہونے والی کیمیات میں سے مارفین سے ہیروئن تیار کرنے کا شوق بڑھ گیا ہے۔ اس شوق کو بڑھانے میں منشیات فروشوں کی کاروباری صلاحیت کو بڑا دخل ہے۔ وہ اچھے گھروں کے لڑکوں کو سکولوں میں مفت پڑیاں دے کر عادی بناتے ہیں۔ اس کا عادی بننے میں زیادہ عرصہ نہیں لگتا۔ DEPFESSION کے ساتھ جسم کی بے وزن کیفیت اسے سبک بنا دیتی ہے۔ نشے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے وہ چوریاں کرتا۔ ڈاکے مارتا اور ہر جرم کر کے اپنی لت پوری کرتا ہے۔ منشیات فروشوں کو اس میں نفع کی شرح سے دلچسپی ہے۔ مثلاً پاکستان میں چالیس ہزار روپے کلو ملنے والی ہیروئن بھارت میں دو لاکھ روپے کلو اور امریکہ میں ۲ کروڑ روپے کلو سے بھی زیادہ قیمت پاتی ہے۔ اچھے اچھے معزز لوگ اس لعنت کے ساتھ وابستہ لاکھوں کی لالچ کو چھوڑ نہیں سکتے۔ بڑے بڑے معتبر ہیروئن کی سمگلنگ میں ذلت پا چکے ہیں۔ کچھ کو جیل ملی اور جو وہاں سے بچ گئے رسوائی سے نہ بچ سکے۔

منشیات مختلف صورتوں میں تاریخ کے ہر دور میں رہی ہیں۔ کبھی تو ان کا استعمال غم غلط کرنے کے لیے بیان کیا جاتا ہے اور کبھی موڈ تبدیل کرنے کے لیے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ معمولی مقدار میں شراب کا استعمال انسان میں اعتماد پیدا کرتا ہے جیسے کہ مشاعرہ میں نظم پڑھنے سے پہلے یا جلسہ میں تقریر کرنے وقت ایک سٹیج دھکی FRIGHT کو دور کرتی ہے۔ پاکستانی موسیقاروں میں مجمع عام میں جانے سے پہلے بلکہ ریڈیو پر پروگرام کرتے وقت چرس پینے کا رواج زیادہ ہے۔ اگر منشیات کے استعمال سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے یا ایک مرتبہ ایسا احساس ہو جائے تو پھر ہر موقعہ پر ضرورت پڑتے پڑتے بات روزمرہ کا معمول بن جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک دھکی کے بغیر تقریر کرنی یا چرس والے سگریٹ کے بغیر گانا نہیں گایا جا سکتا۔

یورپی اقوام میں فوجیوں کو جنگ کے دوران شراب مہیا کی جاتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اسے پینے کے بعد وہ بزدل نہیں رہتے یا یوں کہیے کہ پینے کے بعد ان میں سوچ سمجھ کی

طاقت نہیں رہتی اور وہ برا بھلا سوچے بغیر جنگ میں کود پڑتے ہیں۔ یہی کیفیت دیہات میں ہوتی ہے۔ زمینداروں کے کارندے ان کو نشہ پلا کر ایسے لوگوں سے لڑا دیتے ہیں جن سے ان کی اپنی کوئی دشمنی نہیں ہوتی۔ یعنی کہ نشہ کرنے کے بعد انسان میں نیک و بد کی تمیز باقی نہیں رہتی۔

یورپی ممالک بلکہ مشرق بعید میں اب صورت حال یہ ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں جہاں شراب کا ذخیرہ نہ ہو۔ خاندان کا ہر فرد شراب پیتا ہے اور ایسا کرنا فیشن کا تقاضا ہے۔ اگر یہ لوگ دعوتوں، تیوہاروں پر شراب نہ پیئں تو ان کی شخصیت مسخ ہو جاتی ہے۔ انسانی کردار پر شراب کے اثرات کسی بھی شخص کے لیے نئی بات نہیں۔ لیکن ڈاکٹر آیون بلوخ نے اپنی مشہور تالیف AL LIFE OF OUR TIMES میں اخلاق پر شراب کے منفی اثرات کے مشاہدات کا پورا باب شامل کیا ہے۔ جس میں انہوں نے ایک دلچسپ واقعہ تحریر کیا ہے۔

جب برلن میں ورلڈ میڈیکل کانگریس منعقد ہوئی تو دنیا بھر سے علوم طب کے ماہرین شامل ہوئے۔ جن میں اکثریت ادھیڑ عمر کے معززین کی تھی۔ جرمنی کی سیاحت کے دوران میونخ کی میونسپل کمیٹی نے ان کو عشائیہ دیا جس میں ان بزرگان علم نے اپنے اپنے وزن کے برابر مختلف قسم کی شرابیں استعمال کیں غالباً مفت، کی دیکھ کر ان میں مقدار اور برداشت کے تناسب کا اندازہ جاتا رہا۔

یہ لوگ سب دعوت سے باہر نکلے تو شہر کی رنڈیوں اور ان کے دلالوں نے جھپٹ لیا۔ حالانکہ ان میں اکثریت ایسے صاحبوں کی تھی جو عام حالات میں ایسی بیہودگی کو کبھی پسند نہ کرتے۔ اگلے دن صورت حال یہ تھی کہ کسی ڈاکٹر کی جیب میں نہ کوئی پیسہ تھا اور نہ گھڑی۔ بعض ایسے بھی تھے جن کے قیمتی کوٹ، سویٹر وغیرہ بھی اتر گئے اور وہ شہر کی مختلف پارکوں میں سردی سے ٹھٹھر کے مدہوش پائے گئے۔

آخر کار جرمن حکومت اور دواساز اداروں نے مل کر ان کے لیے واپسی کا

ساماں کیا اور بین الاقوامی شہرت کے اتنے ماہرین اس اجلاس کے بعد ذلیل ہوکر گھروں کو لوٹے۔

یہ حال ایک ایسے طبقہ کا تھا جس کے یہاں فہم و دانش کا وجود دوسروں سے زیادہ ہونا چاہیے تھا مگر جب یہ خود منشیات کے زیر اثر آئے تو احساس سود و زیاں کے ساتھ عقل و خرد بھی جاتے رہے۔

ہیروئن اور LSD فروخت کرنے والے اپنی مارکیٹ خود بناتے ہیں۔ وہ نفسیات کی عملی شکل کو سمجھتے ہیں اور ایسے افراد کو تلاش کرتے ہیں جن کو یہ لت لگ جائے تو وہ آئندہ کے لیے گاہک بن جائیں گے۔ ہیروئن کے ایک رسیا سے جب اس باب میں پوچھا گیا تو اس نے بتایا۔

میں بجلی کے کام کے اچھے کاریگروں میں سے تھا۔ گھر کے سب لوگ نماز، روزہ کے پابند ہیں اور ہمارے گھر میں منشیات تو در کنار حقہ اور سگریٹ بھی ناپسندیدہ ہیں۔ ایک روز ایک دوست مجھے اپنے گھر لے گیا۔ وہاں اس نے سگریٹ کے پیکیٹ سے سفید پنی نکال کر اس پر پیلے سے رنگ کا سفوف ڈالا اور اسے شعلہ دکھایا تو دھواں نکلا جس سے سرکہ کی سی بدبو آرہی تھی۔ ہم نے پینے والی نلکی کے ذریعہ میں اور وہ اس دھوئیں کو اپنے اندر کھینچتے رہے۔ اس کے بعد میرا جسم بڑا ہلکا ہو گیا۔ مجھے ذہن میں بلا وجہ خوشی سی محسوس ہوتی اور بعد میں بڑی آرام دہ نیند آتی۔ اگلے دن میں نے اس شخص سے التماس کی کہ وہ اسی سفید دھوئیں کا پھر سے کش لگوائے اس نے یہ مہربانی پھر سے کر دی۔ دو تین مرتبہ پینے کے بعد اسے بار بار پینے کی خواہش پیدا ہونے لگی۔ اور اس مرحلہ پر میرا وہ محسن، مکر گیا اس نے مجھے سمجھایا کہ اگر ضرورت ہے تو پڑیا خود خریدوں۔ چنانچہ میں جتنے کا کام کرتا تھا اتنے کی ہیروئن کا گاہک بن گیا۔ پھر نشہ کی وجہ سے کام کرنا ممکن نہ رہا تو لوگوں سے ادھار لیا۔ پھر گھر کی چیزیں فروخت

ہونے لگیں۔

جو لوگ میری عزت کرتے تھے مجھے ذلیل کرنے لگے۔ بازار سے میرا اعتبار جاتا رہا۔ پیشگی ادائیگی کے بغیر سودا لینا ممکن نہ رہا پھر لوگوں نے میرا بائیکاٹ کر دیا۔ ان کو ڈر تھا کہ جو پنکھا میرے پاس مرمت کے لیے آیا وہ فروخت بھی ہو سکتا ہے۔ اب تک میں اسے چھوڑنے کی متعدد ناکام کوششیں کر چکا ہوں سوچتا ہوں کہ اگر مجھے مسلسل ذلیل کیا جائے یا جسمانی سزا کا ڈر ہو تو شاید یہ عادت چھوٹ جائے۔

منشیات سے علاج:

ویدک طب میں بھنگ۔ چرس اور افیون کے ساتھ شراب کو مختلف بیماریوں میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ ان کے بعد دھتورا شامل ہوا اور انہی ذرائع سے طب جدید میں بھی شامل ہو گئے۔ افیون سے ۲۷ کیمیاوی اجزاء حاصل کرنے کے بعد دواسازوں نے ان کو درد روکنے۔ کھانسی کی شدت کو کم کرنے اور دردِ زہ کے لیے استعمال کیا۔ ہیروئن کو بھی ابتداء میں کھانسی کے دورے روکنے کے لیے دیا جاتا رہا۔ مگر اس کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا۔ زچگی کی دردوں کے لیے افیون کے مرکبات یا PETHEDINE سے درد میں کمی تو ضرور ہوئی لیکن زچگی کا عمل طویل ہو گیا جس سے بسا اوقات بچے کی موت واقع ہو گئی۔ سگرٹوں میں دھتورا شامل کر کے دمہ کے دورہ کو توڑنے والے STRAMONIUM سگریٹ سانس کو بند کرنے کا باعث ہوتے۔

زمانہ قدیم سے ٹھنڈ لگ جانے اور نمونیہ کے علاج میں برانڈی دینے کا رواج چلا آ رہا تھا ہر ہسپتال میں برانڈی کی بوتل ضرور ہوتی تھی۔ تشخیص کے علم میں اضافوں کے بعد معلوم ہوا کہ برانڈی یا کسی بھی شراب کے استعمال سے جسم کا اپنا دفاعی نظام ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح نمونیہ کے مریض کے پھیپھڑے میں پھوڑا بن جانے سے موت واقع ہو سکتی ہے۔

روز کے ایک شرابی کو نمونیہ ہوا تو اس کے دوست ڈاکٹروں نے پنسلین کے ٹیکے

لگانے کا پروگرام بنایا۔ ان حضرات کو ایک عطائی معالج نے برانڈی کے ساتھ اسپرین دے دی۔ اسپرین نے بخار توڑ دیا اور چھاتی کا درد کم ہو گیا۔ برانڈی سے سانس کی تنگی کو فائدہ ہوا اور انہوں نے صحیح علاج سے انکار کر دیا۔

ایک ہفتہ کے بعد یہ ناگفتہ بہ حالت میں میو ہسپتال کے اندر رفٹ پاتھ پر پڑے آنے جانے والوں سے داخلہ میں امداد کی بھیک مانگ رہے تھے بڑی کوشش سے داخلہ ملا۔ پینسلین کے ٹیکے اور ایک سرجن نے پھیپھڑوں میں اوزار ڈال کر ایک پونڈ پیپ نکالی۔ حالت بہتر ہونے لگی تو انہوں نے پھر ایک روز پی لی۔ دونوں پھیپھڑے گل جانے سے موت واقع ہو گئی۔

تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ اب کسی ہسپتال میں کسی بھی مریض کو برانڈی نہیں دی جاتی۔ لندن کے ایک ہسپتال میں دل کے مریضوں کو دن میں چار اونس وسکی بھی دیگر دواؤں کے ہمراہ دی جاتی تھی۔ یہ علاج بعد میں خون کی نالیوں کو تنگ کرتا۔ جگر کو خراب کرتا اور اعصاب میں انحطاط پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اب یہ متروک ہو گئی ہے۔

شراب کے بارے میں جدید ترین تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ دماغ اور اعصاب کے لیے زہر قاتل ہے۔ پہلے خیال تھا کہ اگر کھانے کے بعد تھوڑی مقدار میں شراب پی جائے تو یہ دل کی شریانوں کے لیے مفید ہے۔ اس سے جگر میں خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ مگر اب کہا جا رہا ہے کہ اس کی معمولی مقدار بھی اعصاب کو گلا دیتی ہے۔ بلکہ وہ خلیے جو شراب کے اثرات کی وجہ سے گل جاتے ہیں وہ دوبارہ کبھی پیدا نہیں ہوتے اور اس طرح شراب سے ہونے والے یہ نقصانات ہمیشہ کے لیے باقی رہیں گے۔

بیماریوں کے علاج کے سلسلہ میں خواب آور ادویہ کو اب مسکنات یعنی TRANQUILISERS کے نئے نام کے تحت دیا جا رہا ہے۔ گھبراہٹ، اعصابی درد، سوء ہضم، اختلاج، اور دماغی امراض کا کوئی نسخہ بھی ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ علوم طب کے استاد اگرچہ اس امر پر متفق ہیں کہ مسکنات سے کسی بھی بیماری کا علاج نہیں ہوتا بلکہ حقیقت میں یہ مریض کو جھانسہ دینے کے لیے دیے جاتے ہیں اور ان کو نسخہ میں لکھنے کا مطلب یہ ہے

کہ معالج کو علم الادویہ یا علم الامراض پر دسترس حاصل نہیں۔ وہ مریض کی قوت متخیلہ۔ احساسات اور شعور کو کند کر کے توقع کر رہا ہے کہ وہ بیماریوں کو بھول جائے۔ ہوتا یہ ہے کہ مریض جب ایک معالج سے مایوس ہو کر دوسرے کی طرف رجوع کرتا ہے تو دوسرا معالج اس کو پہلے والی چھوڑ کر دوسری مسکن دوائی لکھ دیتا ہے۔ اور یوں مریض اپنی یادداشت اور ذہنی آسودگی سے محروم ہو کر ادھر سے ادھر بھٹکتا رہتا ہے۔

نام نہاد سکون آور ادویہ کے بے جا استعمال سے لوگ ان کے عادی ہو گئے ہیں۔ اب کچھ وہ ہیں جن کو DIAZEPAM OR LORAZEPAM کی گولی کھائے بغیر نیند نہیں آتی۔ معدہ کی بیماریوں میں یہ منشیات آنتوں کو سن کر کے پیٹ کی گڑگڑاہٹ کو کم کرتی ہیں اور اس طرح بیماری اگرچہ برقرار رہتی ہے مگر مریض ایک عرصہ کے لیے مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہ صریحاً جھانسہ ہے کیونکہ بیماری اپنی جگہ قائم رہی اور اسے بہتری کا غلط احساس دلایا گیا۔

سکون آور ادویہ کی برادری میں جرمنی سے ایک دوائی GLUTHEMIDE تیار ہو کر امریکہ گئی۔ کھانے والوں نے بتایا کہ اسے رات کو کھائیں اور نیند گہری آجاتی ہے اور صبح اٹھ کر تھکن وغیرہ محسوس نہیں ہوتے۔ طبیعت ہشاش بشاش رہتی ہے۔ ان مشاہدات اور تعریفوں نے اس کی شہرت میں بے پناہ اضافہ کیا اور لوگ اندھا دھند کھانے لگے۔ ایام حمل میں ان گولیوں کے استعمال کے بعد ایک عورت کے یہاں معذور بچہ پیدا ہوا۔ پھر ایک اور جگہ سے ایسی ہی خبر آئی۔ ایک نامکمل مولود کے والد نے معلوم کرنا شروع کیا کہ ایسا حادثہ صرف اس کے یہاں ہی ہوا ہے یا حمل کے دوران کھانے والی دوسری عورتوں پر بھی اس کے ناخوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس خاتون نے حمل کے چوتھے مہینے کے بعد ان کو کھایا اس کے یہاں لولہا لنجا۔ اور معذور بچہ پیدا ہوا۔

بلجیم میں ایک عورت کے یہاں ایسا لڑکا پیدا ہوا جس کے نہ تو دونوں بازو تھے اور نہ ٹانگیں تھیں۔ ایسا ہی طرح اپاہج اور معذور بچہ دیکھ کر ماں کا کلیجہ چھلنی ہو گیا۔ اس نے اپنی نند کی معرفت ایک نرس سے رابطہ پیدا کیا جس نے ایک ڈاکٹر کو آمادہ کیا کہ وہ بچے کو زہر دے دے۔ ڈاکٹر نے بچے کو زہر دے کر

مار دیا۔ لیکن ضمیر کی خلش سے مجبور ہو کر پولیس کو مطلع کر دیا۔ عدالت نے بچے کی ماں، پھوپھی، نرس اور ڈاکٹر کے خلاف قتل عمد کا مقدمہ چلایا اور مجسٹریٹ نے ان کو بری کر دیا۔ کیونکہ ایک ایسے بچے کو قتل کر کے جس کے نہ تو ہاتھ تھے اور نہ پیر کوئی جرم نہیں کیا۔

امریکن رسالہ "لائف" نے مسکن ادویہ کھا کر بچے پیدا کرنے والی خواتین کی حالت زار پر اپنا ایک خصوصی نمبر شائع کیا جس میں بھیانک تصویروں کی مدد سے دکھایا گیا ہے کہ جس کسی نے حمل کے دوران کوئی دوائی کھائی تو اس کا بچہ معذور ہو سکتا ہے۔ اور اب اس حادثہ کے بعد طب میں ایسی معذور کرنے والی ادویہ کو TETROGENIC کہتے ہیں۔ اور فیصلہ یہ ہوا ہے کہ حاملہ عورتوں کو ایسی گولیاں نہ دی جائیں۔ وہ شراب نہ پئیں اور اگر افیون کھائیں گی تو بچہ دم گھٹ کر پیٹ ہی میں مر جائے گا۔

منشیات کی ہر قسم اب علم العلاج سے اس لیے خارج ہو گئی ہے کہ یہ کسی بیماری کا علاج نہیں اور ان کو دوا قرار دینا انسانی صحت سے ظلم کے برابر ہے۔

ہمارے یہاں سب سے ثقہ اور مستندبات وہ ہوتی ہے جو امریکہ سے آئے لیکن اس کے مقابلے میں تاریخ کے سب سے بڑے ماہر نفسیات کا فیصلہ ملاحظہ ہو۔

حضرت طارق بن سوید الحضرمیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے علاقہ میں انگور بہت ہوتے ہیں۔ ہم ان کو نچوڑ کر استعمال کرتے ہیں سرکار نے فرمایا۔ نہیں۔

انہوں نے پھر عرض کیا کہ انگور کے اس رس سے ہم بیماروں کا علاج کرتے ہیں حضور اکرمؐ نے فرمایا۔

انہ لیس بدواءٍ، ولکنہ داءٌ۔

(یہ ہرگز دوائی نہیں بلکہ یہ تو بذات خود ایک بیماری ہے۔)"

(بخاری، مسلم، احمد)

اس حدیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر جدید تحقیقات دیکھ لیں کہ شراب اور دیگر منشیات

کو دوا سمجھنے والے خود جان گئے ہیں کہ وہ غلطی پر تھے بلکہ انہوں نے حدیث شریف کے مطابق علاج نہ کرتے کرتے نئی بیماریاں پیدا کر لیں۔

منشیات کے ذہنی اثرات:

اب یہ بات پوری طرح طے ہے کہ شراب پینے سے معدہ اور آنتوں میں سوزش جگر میں سوزش اور انحطاط۔ اعصاب میں سوزش اور دماغ کے خلیات تباہ ہو جاتے ہیں۔ ذہنی طور پر تھکن، پژمردگی، کمزوری ہوتی ہے۔ وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ شراب پینے سے اسے یہ نقصانات لاحق ہو جائیں گے اور وہ اس کے باوجود شراب پیتا ہے تو اس کا یہ فعل اگرچہ نفسیات میں DYPSOMANIA کہلاتا ہے۔ لیکن ہم اسے اپنی ذات کو ایذا دینے یا تباہ کرنے کی کوشش یعنی SELF DESTRUCTIVE TENDENCIES قرار دیں گے۔ نشہ کرنے کی خواہش کا ایک جواز غالب نے مہیا کیا ہے ؎

مے سے غرض نشاط کس روسیاہ کو ہے
مجھے تو اک گونہ بیخودی دن رات چاہیے

اگر اسے بھی درست مان لیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ شخص لوگوں کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ وہ اس کبوتر کی مانند رہنا چاہتا ہے جو بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے نشہ میں سدھ بدھ کھو دینے سے مسائل الجھ ضرور سکتے ہیں، حل نہیں ہوتے۔ نشہ فرار کی ایک صورت ہے۔ نشہ بازوں کی اکثریت احساس کمتری کا شکار ہوتی ہے۔ کچھ تو لوگوں کا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں اور وہ ہر مرتبہ ایک جرعہ لے کر یہ توقع کرتے ہیں کہ شراب کا ایک گلاس یا چرس والا سگریٹ ان کو اعتماد مہیا کرتا ہے۔ تقسیم ملک سے پہلے رواج تھا کہ اکثر شاعر مشاعروں میں اس وقت تک اپنا کلام نہ سناتے تھے جب تک ان کو اعتماد کے لیے شراب میسر نہ ہو اور اس کے نتیجہ میں ایک مشہور استاد پنجاب یونیورسٹی کے مشاعرہ سے خاصی خرابی کے بعد نکالے گئے۔ ایک مشہور شاعر نے سٹیج پر کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ ترکیب اعتماد مہیا کرنے

کی بجائے ذلیل کروانے کے لیے بڑی مفید ہے۔

بھنگ اور شراب دیہات میں فساد کروانے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ نشہ کی حالت میں اچھائی اور برائی میں تمیز باقی نہیں رہتی۔ انسانی ذہن کا وہ حصہ جو بعض امور کو انجام دینے سے روکتا ہے نشہ کی حالت میں مفلوج ہو جاتا ہے۔ جب دماغ کا محتسب بے کار ہو جاتے تو اس سے کوئی بھی کام لیا جا سکتا ہے یا وہ خود بھی قانونی اور اخلاقی قیود کو پھاند کر ہر قسم کی حماقت کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ بازاری عورتیں اپنے گاہکوں کو منشیات پر اس لیے آمادہ کرتی ہیں بلکہ مہیا کرتی ہیں تاکہ ان سے زیادہ سے زیادہ وصولی کی جا سکے۔ گاہکوں کی جیب کاٹنے کے لیے جوئے خانوں میں بھی منشیات کا استعمال بڑی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ نشہ کی حالت میں جواری کے لیے اپنی جیب کا اندازہ لگانا یا اپنی مالی وسعت کو توجہ میں رکھنا ممکن نہیں رہتا۔ اس لیے وہ زندگی کی آخری پونجی بھی داؤ پر لگانے سے دریغ نہیں کرتا۔ انجام سے لاپرواہ کر دینا منشیات کا اہم ترین فعل ہے۔ دوستوں یا ملازموں کو شراب پلا کر عقلمند آدمی اپنے دشمن سے لڑا دیتے ہیں۔ دیہاتی علاقوں میں ہونے والے اکثر قتل یا فصلوں کی آتشزدگی یا اغوا یا ڈکیتی کی وارداتیں عام طور پر ملزمان اپنی ذاتی دشمنی کے نتیجہ میں ہونے کی بجائے دوسروں کا آلہ کار بننے پر ہوتی ہیں اور وہ ان کی مجرمانہ روش کو شراب سے مہمیز لگاتے ہیں۔

منشیات سے پیدا ہونے والی ذہنی خرابیاں آج کی دریافت نہیں بلکہ ان کو علم نفسیات کے بانی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو حضرت ابو الدرداءؓ نے یوں بیان کیا ہے۔

اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم، لا تشرب الخمر فانها مفتاح کل شر۔ (ابن ماجہ)

(مجھے میرے خلیل حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میں نشہ آور چیزوں کا استعمال نہ کروں۔ کیونکہ منشیات ہر برائی کی کنجی ہیں)

منشیات کے عادی کاہل، غلیظ، بے حس، لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ بھنگ اور افیون کے مرکبات کھانے والے اونگھتے رہتے ہیں۔ بھوک اڑ جاتی ہے۔ کام کرنے کو جی نہیں چاہتا

اگر نشہ کیا ہو تو وہ پینک ہی پینک میں چلے جاتے ہیں۔ اور اگر نہ کیا ہو تو ہاتھ پیر ٹوٹتے ہیں چلنے میں لڑکھڑاتے ہیں، آنکھیں پھیل جاتی ہیں، گفتگو میں بیزاری۔ لوگوں سے نفرت، گوشۂ تنہائی اس لیے پسند کرتے ہیں کہ لوگوں کی بات چیت بری لگتی ہے۔ تھوڑے دنوں میں یادداشت ختم ہو جاتی ہے اور ایک اچھا بھلا آدمی احمق بن جاتا ہے۔

کوکین کا نشہ سب سے مہنگا اور دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ یورپ میں لوگ اس کی نسوار لیتے ہیں اور مشرقی ممالک میں اسے پان میں رکھ کر کھایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لعاب دار جھلیوں MUCOUS MEMBRANES سے براہ راست جذب ہو جاتی ہے۔ اس لیے منہ یا ناک سے خون میں جا کر اعصاب پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔ ابتدا میں جسم سے تھکن غائب ہوتی ہے۔ پھر دماغ میں خیالات کا سلسلہ بڑا اچھا لگتا ہے، دماغی کام کرنے کی وسعت پہلے سے بڑھ جاتی ہے اور بھولی بسری باتیں بھی یاد آ جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ بنیادی طور پر CEREBERAL STIMULANT ہے، اس لیے اثر ختم ہونے کے بعد دماغ میں تھکن کا ہونا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ دیے کی لو اونچی کر دینے سے روشنی ضرور بڑھتی ہے مگر بتی جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اور تیل زیادہ رفتار سے صرف ہوتا ہے۔ نفسیات کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دماغ اور عضلات میں تحریک کے بعد اضمحلال قدرتی امر ہے۔ زیادہ دن استعمال کرنے کے بعد بھوک جاتی رہتی ہے۔ جسم پر یوں لگتا ہے کہ جیسے چیونٹیاں چل رہی ہیں، ناک میں دوران خون بند ہو جانے سے سوراخ پڑ جاتا ہے۔ مریض ہر وقت ہوائی قلعے بناتا رہتا ہے اور خیالات میں وہ سب کچھ کر لیتا ہے جو اصل زندگی میں نہ تو اس نے کبھی کیا اور نہ ہی وہ اس کے قابل ہوتا ہے۔ نفسیات میں یہ کیفیت MENTAL EUPHORIA کہلاتی ہے۔

کوکین کے بعد جنوبی امریکہ کے باغات کا دوسرا تحفہ دھتورا بھی تقریباً انہی برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس کے کھانے سے دل میں خوف کے علاوہ ایسی باتیں احساس میں آتی ہیں جن کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ تھوہر سے حاصل ہونے والے کیمیاوی عناصر کی تعداد ۱۲ تک چلی گئی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے زیادہ خطرناک پایا گیا ہے۔ اس لیے نفسیات میں ان کو HALLUCINOGENS کا نام دیا گیا ہے۔

تھوہر کے ان مرکبات کو معرض وجود میں آئے ۳۰ سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا لیکن قرآن مجید نے صدیوں پہلے تین مختلف مقامات پر اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے بد ترین چیز قرار دیا ہے۔

ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم کالمھل یغلی فی البطون کغلی الحمیم

(پس یہ درخت کا تھوہر کا گناہگاروں کی خوراک ہے، یہ بالکل ایسے ہے جیسے کہ پگھلا ہوا تانبہ کھولتا ہے۔ پیٹوں میں اور جیسے کھولتا ہوا پانی)

(الدخان ۴۶-۴۳)

جہنمیوں کی خوراک اور پینے کے اسلوب کے بارے میں ارشاد ہوا۔

لاٰکلون من شجر من زقوم فمالئون منھا البطون فشاربون علیہ من الحمیم

(یہ وہ لوگ ہیں جو تھوہر کے درخت سے کھائیں گے اور اسی سے اپنے پیٹ بھریں گے۔ اور اس کے اوپر ان کو پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔)

(الواقعہ ۵۴-۵۲)

انا جعلنٰھا فتنۃ للظٰلمین انھا شجرۃ تخرج فی اصل الجحیم طلعھا کانہ رؤس الشیٰطین۔

(ہم نے اس درخت کو ظالموں کو اذیت دینے کے لیے رکھا ہے، کیونکہ یہ درخت جہنم کی تہہ سے نکلتا ہے۔ اور اس کے شگوفے ایسے ہیں جیسے کہ شیطانوں کے سر)

(الصٰفٰت ۶۳-۶۹)

تھوہر کے مرکبات امریکی نشہ بازوں میں مقبول ہو کر مسئلہ بن چکے ہیں، تجربات اور مشاہدات سے ثابت ہو گیا ہے کہ قرآن نے اس کی نشان دہی کی کہ یہ خطا کاروں کی خوراک ہے یا اس کے کھانے سے ان کو جو تکالیف ہوں گی وہ ایک طرح سے ان کے لیے سزا ہوں گی۔

نشہ بازوں کی ذہنی کیفیت ماہرین کے لیے مخمصہ کا باعث بن گئی ہے۔ برطانوی ماہرین ان کو آہستہ آہستہ کم کرنا پسند کرتے ہیں۔ جب کہ امریکی ڈاکٹر اصل دوائی کو پہلے دن ہی بند کر دیتے ہیں لیکن اس کی جگہ کوئی اور خواب آور شے دے دیتے ہیں۔ بات وہی ہوئی جو فرائیڈ نے TRANSFERENCE کی صورت میں تجویز کی ہے۔ یعنی مریض کو ہیروئن چھڑواتے کے لیے LARGACTIL & DIAZEPAM کا عادی بنا دیا جاتے۔ اب مریض ایک نشہ آور دوائی سے دوسری طرف چلتا ہے تو نشہ کی کیفیت بہر طور باقی رہتی ہے۔ وہ اگر افیون سے نکلتا ہے تو ان میں سے کسی کے ساتھ اٹک جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جتنے مریضوں نے علاج کروایا ان میں اکثر و بیشتر یا تو پھر سے عادی ہو گئے یا وہ ایک مصیبت سے نکل کر دوسری میں جا پھنستے ہیں۔

منشیات کو چھڑانے کی اکثر علاج گاہوں میں اعصابی یا دماغی امراض کے ڈاکٹر صاحبان ادویہ سے علاج کرتے ہیں جب کہ یہ ایک پیچیدہ ذہنی رجحان کا ردعمل ہوتا ہے جہاں ماہرین نفسیات کی شرکت کے بغیر کوئی عمل مفید نہیں ہوتا۔ آج تک کے مشاہدات سے واضح ہوا ہے کہ اس ایک علاج کے باوجود ٹھیک ہونے والوں کی تعداد بڑی کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی طریقہ علاج میں مریض پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ ہیروئن چھوڑ دے۔ یا وہ کوکین نہ کھائے کیونکہ وہ اس کے لیے مضر ہیں۔ اب مریض جب عبوری طور پر تندرست ہو کر نکلتا ہے تو اسے ہر محلے میں شراب خانہ۔ ہر محفل میں شراب۔ تفریح اور تواضع کی ابتدا اور انتہا میں شراب دیکھ کر وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ چیز جسے ایک زمانہ اتنے شوق سے اور اس کثرت سے استعمال کر رہا ہے یقیناً اچھی ہوگی۔ ان مشاہدات کے بعد اسے منشیات سے باز رکھنا انسانی طور پر ممکن نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ تمام علاج ایک غیر فطری اصول پر کیے جاتے ہیں بلکہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہیروئن پاکستان سے آتی ہے۔ کوکین پیرو سے اور وہ ی لے کولمبیا سے اس لیے امریکی ماہرین کو ان پر اعتراض ہے۔ جب کہ ان کو اپنے ملک میں تیار کردہ بیئر اور بوربن پر کوئی اعتراض نہیں۔

"ایک بزرگ کے پاس ایک خاتون آئی کہ حضرت میرا بیٹا گڑ بہت کھاتا ہے

اسے منع فرمائیں۔ انہوں نے بیٹے کو اگلے دن بلایا۔ پھر منع کیا کہ گڑ کھانا اچھی بات نہیں۔ آئندہ سے نہ کھانا۔

خاتون نے کہا کہ حضرت اتنی سی بات تو آپ کل بھی فرما سکتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں! میں کہہ سکتا تھا مگر کل تک تو میں خود بھی گڑ کھاتا تھا۔ آج میں نے اپنی عادت پہلے ترک کی اور پھر اسے نصیحت کرنے کے قابل ہوا۔

جو شخص خود صبح، شام شراب پیتا ہے وہ کسی کو منشیات سے منع کرنے کے قابل کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کے الفاظ میں جان ہی نہ ہوگی اور نیم دلی سے کی گئی کوشش کبھی بارآور نہیں ہوتی۔ منشیات کے بارے میں زیادہ پڑھے لکھے، ذہن انسانی کی نفسیات کو جاننے والوں کی مسلسل ناکامی کی وجہ ان کی دورخی پالیسی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے ماہر نفسیات کا ارشاد گرامی دیکھیے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کل مخمر خمر۔ و کل مسکر حرام (ابوداؤد)

نشہ دینے والی ہر چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اس تعریف کو دیکھیں تو جدید علاج کی وجہ ناکامی سامنے آتی ہے۔ اس میں ہر نشہ آور چیز کو خمر قرار دیتے ہوئے اس کی ہر قسم اور شکل کو حرام قرار دے دیا گیا۔ اس وضاحت نے بھنگ سے لے کر ہیروئن تک اور شراب سے لے کر ایل ایس ڈی تک کو شامل کر کے ان کے استعمال کو نامناسب جانتے ہوئے حرام کر دیا۔

اسلام اور منشیات:

آغاز اسلام کے وقت حالت یہ تھی کہ اخلاقی قیود نہ ہونے کے برابر تھیں، مروجہ مذاہب میں کسی کے یہاں شراب یا منشیات کی کوئی بندش نہ تھی۔ اس وقت کے طبیب بھی منشیات کے برے اثرات سے آشنا نہ تھے۔ بدچلنی اور شراب نوشی کے اڈے معبدوں میں ہوتے تھے ایسے لوگوں کو اچھائی پر آمادہ کرنا اور پھر ان کو اخلاق کا درس دینا اور اس پر آمادہ کرنے کے لیے

کسی ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو ان کے ذہنوں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ انسانی نفسیات سے واقفیت اور دسترس رکھتا ہو تاکہ اپنی بات منوانے کی طاقت رکھتا ہو اور اس کام کے لیے حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا گیا اور ان کو اس مشن کے سلسلے میں بنیادی بات یہ بتائی گئی کہ۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة۔

(لوگوں کو اللہ کے راستہ کی طرف بڑے پیار اور دانائی سے بلاؤ)

(النحل۔ ۱۲۵)

چونکہ اسلام کا مطلب بھلائی اور ایک ایسا اسلوب زندگی ہے جس پر عمل کرنے والے کو ایک بلبی، باوقار اور صحت مند زندگی میسر آتی ہے۔

لوگوں کو رہن سہن، میل ملاپ اور صفائی سکھاتے ہوئے جب یہ محسوس ہوا کہ منشیات کے زیر اثر فتنہ و فساد ظاہر ہوتے ہیں تو پہلی بات قرآن مجید نے یہ فرمائی۔

یسئلونك عن الخمر والمیسر، قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس ۔ (البقرہ، ۲۱۹)

(تم سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں ان کو بتاؤ کہ ان میں گناہ اور برائی کے ساتھ کچھ فوائد بھی ہیں)

یہ ابتدائی بات تھی اس لیے منشیات کے متعلق جو ارشاد فرمایا گیا وہ زیادہ طور مشورے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے بعد جب یہ دیکھا گیا کہ لوگ نشے میں بہک جاتے ہیں اور نوبت فساد تک آجاتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ فرمایا کہ۔

شراب سے بچے رہو کہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

پھر یہ دیکھا کہ نشہ اخلاقی قیود کو توڑنے پر آمادہ کر دیتا ہے تو حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اجتنبوا الخمر، فانھا ام الخبائث

(مسکرات سے بچتے رہو۔ کیونکہ یہ ہر برائی کی جڑ ہیں) (زہری)

لوگ جب بات کو سننے اور سمجھنے لگ گئے تو اس باب میں اگلی ہدایت کا موقع پیدا ہو گیا اور قرآن مجید نے فرمایا:۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ، حتی تعلموا ما تقولون۔ (النساء: ۴۳)

(اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو۔ اور یہ پابندی اس وقت تک قائم رہے جب تک کہ تم کو اپنے قول و فعل پر اختیار نہ ہو۔)

پہلی شرط یہ عاید کی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جاتے۔ جب لوگوں کو احساس ہو گیا کہ شراب ایک ایسی فضول چیز ہے کہ وہ عبادت میں خلل ڈالتی ہے اور اللہ کا ذکر یکسوئی اور انہماک سے نہیں ہو سکتا تو پینے والے محتاط ہو گئے۔ پھر نشہ میں امن عامہ کے مسائل پیدا ہونے لگے تو قرآن مجید نے اس مسئلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے بتایا۔

یاایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطٰن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون۔ (المائدہ: ۹۱،۹۰)

وہ لوگ جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ان کو بتایا گیا کہ شراب، جوا بت پرستی اور قسمت کے پانسے برائی کے ذریعے ہیں۔ شیطان لوگوں کو ان کی ترغیب دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں جھگڑا، فساد اور آپس میں عداوت پیدا ہوتی ہے۔ یہ چیزیں اللہ کے ذکر سے دور رکھنے والی ہیں۔ کیونکہ نشہ کی حالت میں اچھی بات منہ سے نہیں نکلتی۔

ہر نشہ کے دو اثرات ہوتے ہیں۔ ایک تو اس کے استعمال کے فوری بعد جیسے کہ ہیروئن، بھنگ، چانڈو یا شراب پینے والا فوری طور پر بکواس کرے گا۔ بیہودہ حرکتیں اور جھگڑا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور یہ روزمرہ کے مشاہدے کی بات ہے کہ شراب پی کر اچھے اچھے دوست بھی آپس میں لڑ کر دشمن بن جاتے ہیں۔ منشیات کا دوسرا نقصان بعد کے

دوررس اثرات ہیں۔ جن میں جگر اور اعصاب کے ساتھ گردوں کی خرابی اہم ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہندو عورتیں بیوہ ہونے پر خاوند کے ساتھ جل کر مر جاتی ہیں۔ یہ واقعہ عام طور پر خوشی سے نہیں ہوتا۔ ان کو جل مرنے پر مجبور کیا جاتا تھا اور جب گھر سے بناؤ سنگار کر کے ان کو روانہ کیا جاتا تھا تو جانے سے پہلے ان کو بھنگ یا شراب کی کثیر مقدار پلائی جاتی تھی، تاکہ وہ ہوش وحواس سے بیگانہ ہو کر آگ میں کود جائیں۔

قرآن مجید مسئلے کو واضح کر رہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم جاری کیا۔

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک محفل میں اپنے چچا اور دوسرے لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ باہر سے منادی والے کی آواز آئی۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو حرام کر دیا ہے"

ہر شخص نے اپنے ہاتھ سے شراب کا پیالہ زمین پر گرا دیا اور میں نے گھڑا پھوڑ دیا۔

اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ عرف عام میں خمر سے مراد شراب لی جاتی تھی جب کہ ذہنی جسمانی اور سماجی مسائل ہر نشہ آور چیز سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس کی خوبصورت وضاحت کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کل مخمر خمر - و کل مسکر حرام - (ابوداؤد)

اس موضوع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عائشہ سے مسند احمد نسائی۔ بخاری اور دارمی میں دو درجن سے زائد روایات اس اصول کی تصدیق میں موجود ہیں۔

پھر مسئلہ پیدا ہوتا ہے مقدار کا۔ فرانس میں منشیات کے نوجوان افراد کا علاج کرنے والے ایک ماہر دماغ نے بیان کیا ہے کہ نوعمر بچوں میں منشیات کی عادت تھوڑی مقدار میں چکھنے سے پیدا ہوتی ہے، جب ان کو مزا آنے لگتا ہے تو آہستہ آہستہ مقدار میں اضافہ ہونے لگتا ہے یا جسم عادی ہو جانے کی وجہ سے تھوڑی مقدار سے لطف نہیں لیتا اس لیے مقدار میں تدریجی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ما اسکر کثیرہ - فقلیلہ حرام۔ (ابن ماجۃ)

(جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ کرتی ہے اس چیز کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منشیات کی برائیوں کو محسوس کرتے ہوئے اسے مطلقاً حرام کر دیا بلکہ وہ یہاں تک گئے کہ علاج میں بھی اس کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ لیکن یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ ان سے کسی بھی بیماری کا علاج ممکن نہیں البتہ یہ خود بھی بیماری ہے یا ان کی وجہ سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں۔

یوم الفتح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دوست جو کہ دوس یا ثقیف میں رہتے تھے ان کے لیے شراب کی ایک کثیر مقدار تحفہ لے کر آئے۔ ان سے مخاطب کر کے حضور اکرم نے فرمایا۔

"اے فلاں! کیا تم کو علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کر دیا ہے"

اس شخص نے اپنے غلام کو آہستہ سے کہا کہ وہ یہ شراب بازار لے کر اسے فروخت کر دے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔

"جس نے اس کا پینا حرام کیا ہے اس نے اس کی فروخت بھی حرام کر دی ہے"

اس حکم کے بعد وہ شراب بطحا میں بہا دی گئی۔ (احمد، مسلم، نسائی)

حضرت انس بن مالکؓ کے والد گرامی ایک یتیم بچے کی پرورش کر رہے تھے انہوں نے بھاؤ مناسب دیکھ کر اس کے مال سے شراب خرید کر ذخیرہ کر لی۔ اس دوران شراب حرام ہو گئی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اب کیا کریں؟ ارشاد ہوا۔

"احرقہا"

(اس کو جلا ڈالو)

پھر معروض ہوئے کہ یتیم کا مال ہے اور وہ نقصان کا متحمل نہ ہو سکے گا۔

قال افلا نجعلہا خلا

(کیا میں اس کا سرکہ نہ بنا لوں)

جواب ملا" لا"۔ نہیں۔

اسی سلسلہ میں حضرت ابوسعید الخدری بیان کرتے ہیں کہ جناب رسالت مآب نے شراب سے سرکہ بنانے کی بھی ممانعت فرمائی۔ اسی کی تائید مزید حضرت انسؓ سے بھی انہی الفاظ میں میسر ہے۔ جسے ترمذی، مسلم اور ابو داؤد نے روایت کیا۔

نشہ ایک عادت ہے۔ جب کوئی اس میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اپنی بدکردار برادری کو دیکھ کر حوصلہ حاصل کرتا ہے۔ اگر اسے منشیات سے اتنی نفرت دلائیں کہ اس کو ایک نجس چیز سمجھنے پر مجبور ہو جائے تو پھر وہ اس عادت کو بھی چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز کے استعمال کو لعنت قرار دیا۔ اور اس پر دس طرح سے لعنت ہے اس کو نچوڑنے والا۔ اس کو نچڑوانے والا۔ بیچنے والا۔ خریدنے والا۔ اٹھانے والا۔ جس کے لیے اٹھایا جائے۔ اس کی قیمت کھانے والا۔ اس کو پلانے والا۔ اور پینے والا۔ تمام کے تمام لعنتی ہیں۔ (ابن ماجہ)

منشیات کی کاشت، تیاری، فروخت بلکہ بار برداری میں ملوث ہر شخص کو لعنت کا مستحق قرار دے کر ان کی صنعت اور تجارت کی حوصلہ فرسائی کرنا اسلام کا منفرد کارنامہ ہے۔ انہوں نے اس کاروبار سے لوگوں کو نفرت دلانے میں پوری توجہ دی۔

حضرت انس بن مالکؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ مدینہ کے ایک شخص سمرہ نے شراب فروخت کی ہے تو انہوں نے اس کے لیے باقاعدہ بددعا فرمائی۔

ایک اور روایت میں منشیات کی فروخت سے حاصل ہونے والی کمائی کو رنڈی کی کمائی کے برابر قرار دیا۔

حضرت اسمہ بنت یزیدؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من یشرب الخمر لم یرض اللہ اربعین لیلۃ، ان مات، مات کافرا، وان تاب، تاب اللہ علیہ، و ان عاد حقا

علی اللہ ان یسقیہ من طینۃ الخبال ۔(مسند احمد)
(جو شخص بھی شراب پیے گا (یا منشیات استعمال کرے گا) اللہ تعالےٰ
اس سے ہر مرتبہ کے بعد چالیس دن تک خفا رہے گا۔ اگر وہ اس دوران
مرگیا تو اس کی موت بطور کافر ہوگی اور وہ اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس
کی توبہ قبول کرے گا۔ اور اگر اس کے بعد بھی اس نے وہی حرکت دوبارہ
کی تو اللہ تعالیٰ اسے یقیناً دوزخیوں کے ساتھ رکھے گا۔ اور پیپ اور
پسینہ پلائے گا۔)

کسی مسلمان کو منشیات سے باز رکھنے کے لیے وہ سب کچھ فرما دیا گیا جو اسے
ان سے دور رکھ سکتا ہے۔ استعمال کرنے والا لعنتی ہونے کے علاوہ جب تک توبہ نہ
کرے دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ اس کی نہ تو کوئی نماز قبول ہوگی اور نہ کوئی
اور عبادت۔ اگر وہ مرگیا تو جہنمی ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مدمن الخمر، کعابد وثن۔ (ابن ماجۃ)
(روز حشر نشہ کرنے والے کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو بت پرستوں
کے ساتھ کیا جائے گا۔)

اسلام کی بنیادی پالیسی یہ ہے کہ اس نے ہر اس چیز کو حرام کیا ہے جس کے استعمال
سے انسانی صحت کو اندیشہ ہو۔ قرآن مجید کی آیت حرمت میں۔

مردار کے گوشت ۔ خون ۔ سور کے گوشت اور اس جانور کے گوشت کو حرام کیا ہے
جس کو لاٹھی سے مارا گیا ہو، بلندی سے گرا ہو، ٹکر کھایا ہو یا کسی درندے نے پھاڑا ہو۔
کو حرام قرار دیا ہے۔ بعض نیم خواندہ لوگ اسلام میں حلال اور حرام کے اس مسئلہ کو
PSYCHOLOGICAL TABOO بتلاتے ہیں۔ اگر کوئی ہندو انڈا اور گوشت نہیں کھاتا یا یہودی
ہفتہ کے دن مچھلیاں نہیں پکڑتا یا اونٹ کا گوشت نہیں کھاتا تو اس نے یہ عمل ان کی مذہبی
پابندیوں کی وجہ سے ہے جب کہ ان کا جدید علوم میں کوئی جواز موجود نہیں۔ اس کے برعکس

اسلام میں حرام کی گئی ہر چیز صحت کے لیے مضر ہے۔

مذہبی قیود سے قطع نظر اگر کوئی شخص مردہ جانور کا گوشت کھائے گا یا خون پیئے گا تو اس کو ہاضمے کی خرابیاں یا زہرباد ہو جانا ایک لازمی نتیجہ ہے۔

توریت مقدس نے اپنے باب احبار میں خرگوش، سور، دریاؤں میں چلنے والے جانور، عقاب، چیل، باز، حواصل، گدھ، لق لق، بگلے، ہدہد، چمگادڑ، اونٹ، نیولا، چوہا گوہ، چھپکلی، جھینگر، ٹڈا، سانڈا، گرگٹ کو نہ صرف حرام قرار دیا ہے بلکہ ان کو چھونا بھی ناپاک ہے۔ اگر یہ جانور کسی برتن میں منہ ڈالے تو اس برتن کو بھی توڑ دیا جائے۔

اس فہرست کو دیکھیں تو اکثر چیزوں کو حرام کرنے کا طبی جواز نظر نہیں آتا جب کہ اسلام کی مکمل فہرست میں گندگی کھانے والے جانور، کچلی والے زہریلے جانور، پنجے میں پکڑ کر کھانے والے، خچر، گدھا، چیونٹی، شہد کی مکھی، بجو، لومڑی، بھیڑیا، کوا، مینڈک اور بلی حرام ہیں۔ اسی طرح شراب بھی حرام ہے۔ جب ایک چیز اس لیے حرام ہے کہ اس کو کھانا صحت کے لیے مضر ہے تو اس کی ہر مقدار حرام ہوگی۔

اور اگر کسی متنازعہ چیز کے بارے میں کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ اس کو کھانے یا پینے سے اس کی بیماری کو فائدہ ہو سکتا ہے تو قرآن نے ایسا کرنا جائز قرار دیا ہے۔

"فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ۔ ان اللہ غفور رحیم ۔" (البقرۃ : ۱۷۳)

(اور اگر تم کسی اضطراری کیفیت میں مبتلا ہو اور تمہارا ارادہ خدا کے احکام کی خلاف ورزی کا نہ ہو اور نہ ہی تم اس خلاف ورزی کو عادتاً کرنا چاہتے ہو تو تم کو ممنوعہ چیزیں استعمال کرنا روا ہوگا۔ اللہ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے)

یہی بات قرآن مجید نے سورہ المائدہ، انعام اور النحل میں بھی واضح کی۔ کیونکہ اسلام حرام چیزوں کے استعمال کو اپنے وقار کا مسئلہ نہیں سمجھتا بلکہ اس کی خواہش تو صرف اتنی ہے کہ لوگ ان کو استعمال کر کے اپنی صحت خراب نہ کریں۔ اس لیے مفسرین نے مفہوم کو سامنے رکھ کر ان کے استعمال پر یہ شرائط عائد کی ہیں۔

۱۔ حرام چیز کو کسی مجبوری یا اضطراری کیفیت میں ہی استعمال کیا جائے۔
۲۔ حرام چیز کو استعمال کا فیصلہ مریض کی اپنی صوابدید پر نہ ہو بلکہ کوئی مستند حاذق طبیب حالات کو دیکھ کر ان کو تجویز کرے۔

۳۔ حرام چیز کی مقدار اور عرصۂ استعمال بھی طبیب متعین کرے۔ مریض کا اپنا فیصلہ اس باب میں درست نہ ہوگا۔

۴۔ اس سہولت کو اللہ کے احکام سے پہلوتہی کی ترکیب نہ بنایا جائے۔ اب اگر کوئی ڈاکٹر یہ سمجھتا ہے کہ مریض کے اختلاج۔ اضطرابی کیفیت اور دل میں دوران خون کی رکاوٹ کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے اسے پیتھے ڈین کا ٹیکہ لگایا جائے تو اسلام اس کی کھلے دل سے اجازت دیتا ہے اور ڈاکٹر یہ ٹیکہ اس وقت تک بے شک لگائے جب تک کہ دل کی حالت اعتدال پر نہیں آجاتی لیکن مریض کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ ہسپتال سے فارغ ہونے کے بعد اس کی کیفیت کا مزا لینے کے لیے اپنے آپ یہ ٹیکے لگوانا شروع کر دے۔ اور یہی چسکا ADDICTION کا باعث بنتا ہے۔ جہاں تک مریض کی اپنی تشفی کا تعلق ہے اسلام اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنی تندرستی کے لیے مستند معالج کی تجویز پر کوئی بھی چیز استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر ایک اہم بات واضح فرما دی۔

کسی حرام چیز میں کوئی شفا نہیں۔

اسی بات کو حضرت ابوہریرہؓ مزید تفصیل کے ساتھ انہی کی زبان مبارک سے روایت کرتے ہیں۔

من تداوى بحرام، لم يجعل الله تعالى فيه شفاء "

(ابونعیم)

(جس کسی نے حرام چیز سے علاج کیا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حرام چیز میں کوئی شفا نہیں رکھی۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بتاتا ہے کہ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ تم اپنی تسلی کے لیے کسی بھی چیز سے اپنے طبیب کی رائے کے مطابق علاج کروا ؤ

لیکن تمہیں پتے کی بات بتاتے ہیں کہ ہم نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اس میں کسی بھی بیماری سے شفا نہیں ہوتی۔

ہم نے ان کی اس بات پر یقین نہیں کیا۔ اور تجربہ کر کے دیکھ لیا کہ خون پینے سے کمزوری دور نہیں ہوتی۔ سور کے لبلبہ سے بننے والی انسولین ذیابیطس کی بیماری کو کنٹرول نہیں کر سکتی درندوں کے منہ میں ہائڈروفوبیا کے جراثیم ہوتے ہیں۔ وہ اگر کسی برتن میں منہ ڈال لیں تو وہ انسانی صحت کے لیے خطرناک ہو گا۔ درندوں کا گوشت بد ذائقہ اور بیماری پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔ ہارٹ فیل کے مریضوں کو وہسکی دینے سے مرض کی شدت میں اس وقت تو کمی آجاتی ہے مگر اس کے بعد بیماری میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور دل کے ساتھ خون کی نالیاں بھی مسدود ہو جاتی ہیں۔ نمونیہ کا مریض اگر بیماری سے نہ مرے تو برانڈی پینے سے مر سکتا ہے اعصابی امراض میں بھنگ، چرس اور افیون دینے سے بیماری تو کیا ٹھیک ہو گی البتہ دماغ بھی کمزور ہو جائے گا۔

منشیات کا مسئلہ اور حل:

جدید تحقیقات میں لوگوں نے الکحل یا منشیات کے ساتھ بڑھتی ہوئی رغبت کو جنون کی شکل قرار دے کر اسے DYPSOMANIA کا نام دیا ہے مگر تھوڑی مقدار میں چسکے کے طور شراب پینے والے یا چرس کا سگریٹ پینے والوں کو اس میں شامل نہیں کیا جاتا۔ ماہرین کی اکثریت منشیات کی معمولی مقدار کو کبھی کبھار پینے والوں کو کسی ذہنی تکلیف میں مبتلا نہیں مانتے۔ جب کہ اکثریت اس لیے پیتی ہے کہ انہیں اپنے اوپر اعتماد کی کمی ہوتی ہے۔ یا مجلس میں بعض اوقات دوسروں کی نسبت کمتری محسوس کرتے ہیں۔ منشیات سے انہیں اعتماد میسر آتا ہے۔

ڈاکٹر آرتھر کانن ڈائل نے شرلاک ہومز کو اُلجھے مسائل کے حل کے لیے کوکین کی نسوار لیتے بتایا ہے۔ بلاشبہ کوکین دماغ اور سوچ بچار کو تحریک دیتی ہے۔ خیالات کا سلسلہ متواتر ہو جاتا ہے۔ اور بھولی بسری باتیں بھی یاد آجاتی ہیں۔ بعض لوگ انہی فوائد کے حصول

کے لیے کوکین کھاتے یا نسوار لیتے ہیں۔ حالانکہ وقتی تحریک کے بعد دماغ پہلے سے بھی زیادہ تھک جاتا ہے اور خیالات میں پراگندگی آجاتی ہے۔ دماغی صلاحیت میں اسی قدر اضافہ تیز چائے کی ایک پیالی سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

غالب چاہتا تھا کہ گرد و نواح سے بے تعلق ہو کر گوشہ تنہائی میں حال مست پڑا رہے اور تقریباً یہی صورت حال ان کی حقیقی زندگی کی بھی تھی۔ غالب کو زبان اور بیان کے ساتھ انسانی نفسیات پر جو قدرت حاصل تھی اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ آج بھی مقبول ترین شاعر ہے۔ لیکن اس کی اپنی حالت یہ تھی کہ "مکاتیب غالب" اس کی بیماریوں اور لاچاریوں کے مصائب سے بھرپور ہیں۔ نشہ میں رہنے کے باعث وہ اپنے لیے روزگار کا کوئی ذریعہ تلاش نہ کر سکا کیونکہ لگ کر کام کرنا کسی بھی شرابی یا افیونی کے لیے ممکن نہیں۔ اس کا گھر ٹپکتا تھا۔ بیوی تقاضا کرتی تھی ساہوکار نیلامیاں لاتے تھے اور لوگوں سے مانگی ہوئی شراب پی کر حال مست رہنے کا دعویٰ دار تھا۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار نے "فسانۂ آزاد" میں ایک افیونی کو جس قابل رحم حالت میں خوجی کے نام سے پیش کیا ہے وہی نشہ بازوں کی حالت زار کا صحیح بیان ہے۔ یہ صاحب نہ تو نہاتے تھے اور نہ ہی ڈھنگ کا کوئی کام کرنا ان کے بس کی بات تھی۔

فلموں میں اکثر دیکھتے ہیں کہ ایک شخص صدمات سے لاچار ہو کر یا حالات سے مار کھانے کے بعد کثرت شراب میں مبتلا ہو کر سدھ بدھ کھو دیتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ دکھ، تکلیف یا غم کے دوران اسے اپنی مشکل کا حل کہاں تلاش کرتا ہے۔ صدمہ ہونے پر نشے کا سہارا لینا یا خودکشی کا سوچنا بزدلی اور فراریت کی بدترین مثال ہے۔ مشہور محاورہ ہے کہ بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ چونکہ وہ خود اسے دیکھ نہیں سکتا اس لیے باور کر لیتا ہے کہ اب بلی کا وجود نہیں رہا۔ اور وہ اسے اس پینک میں جھپٹ کر کھا جاتی ہے۔ نشوں کے عادی مسائل کا سامنا کرنے یا ان کو حل کرنے کی ترکیب تلاش کرنے کی بجائے اگر ہیروئن کی چسکی لگا کر مر جائیں تو محسوسات کی شدت میں یقیناً کمی ہو گی۔ لیکن بات تو وہیں رہی اور عین ممکن ہے کہ عدم توجہ اور لاپرواہی سے وہ مسئلہ اور بگڑ جائے۔

سستی، کاہلی، جسمانی صفائی سے پہلو تہی، کام کرنے سے کترانا۔ ذمہ داری سے بھاگنا۔ نشہ بازی کے ابتدائی نتائج ہیں۔ اس کے بعد ذمہ داریوں سے فرار۔ حالات سے بے پرواہی تھکن اور غنودگی شروع ہو جاتے ہیں۔ نشہ کی مقدار مل گئی تو جسم میں خوشی کی لہر آ گئی نہ ملی تو ہاتھ پیر ٹوٹنے لگے۔ بخار کی سی کیفیت کے ساتھ قبض یا اسہال روزمرہ کا معمول ہوتے ہیں یوں تو ہر مریض کی زہریلی خوراک میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن اگر یہ خوراک کچھ دیر سے ملے تو طلب اور حرص میں اضافہ ہو کر مریض کو ضرورت کا اندازہ نہیں رہتا ہے اور اکثر بے ہوش ہو جاتا ہے۔

ایک پڑھی لکھی خاتون کو پیتھے ڈین کے ٹیکے لگانے کی لت پڑ گئی۔ سیڑھیوں سے گرنے پر مدتوں ہسپتال رہیں۔ باہر نکلیں تو پھر سے سلسلہ شروع ہو گیا ایک مرتبہ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے پورا دن ٹیکہ میسر نہ آ سکا۔ پھر کسی سے قرض کر کے پیسے لے کر آٹھ ٹیکے خریدے اور ایک گھنٹے میں پانچ لگ گئے جس کے بعد ۱۶ گھنٹے بے ہوشی میں گزرے۔

جس مریض سے بھی بات کریں وہ فوراً مان لیتا ہے کہ بات اچھی نہیں۔ اسے یہ بھی اعتراف ہوتا ہے کہ اس سے وہ ذلیل ہو رہا ہے۔ گھر والے اس کو عزت نہیں دیتے۔ کام کاج اور نوکری جاتی رہی ہے اب وہ خلوص دل سے کوشش کر رہا ہے کہ اس مصیبت سے چھٹکارا پائے۔ لیکن ارادہ ہمیشہ کمزور اور وعدوں کا انجام خراب ہی رہتا ہے۔

منشیات کا علاج :

وہ اسباب اور حالات جو کسی شخص کو نشہ کا عادی بناتے ہیں ان میں کوئی بات نئی نہیں۔ دماغی امراض کے ہسپتالوں سے لے کر ماہرین نفسیات تک سب کو دعویٰ کہ وہ اس کا علاج کر سکتے ہیں۔ چونکہ حال ہی میں پاکستان کے لوگوں میں ان عادات کا پھیلاؤ زیادہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ نیم خواندہ اشتہاری حکیموں سے لے کر پرائیویٹ ہسپتالوں تک ہر شخص کو دعویٰ ہے کہ وہ اس بد عادت کا علاج کر سکتا ہے۔ پاکستان

ٹیلی وژن نے متعدد اداروں کے بارے میں ایسی فلمیں دکھائیں جہاں لوگوں کو منشیات کی مصیبت سے نجات دلاتی جاتی ہے۔

جب کوئی مریض اپنی مرضی سے کسی ہسپتال میں نشہ کی عادت چھوڑنے کے لیے داخل ہوتا ہے تو وہ اس ارادے سے آتا ہے کہ اس لعنت کو چھوڑ دے گا۔ وہاں پر قیام کے دوران اسے اگر معمولی امداد بھی میسر ہو تو وہ ٹیکے، افیون یا بوتل چھوڑ دیتا ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات وہاں پر علاج میں جو دوائیں استعمال ہوتی ہیں وہ بھی منشیات کے خاندان سے ہوتی ہے۔ جیسے کہ افیون کھانے والے کو شراب پلادی۔ حال ہی میں محکمہ آبکاری نے ایک مشہور دوائی "ترک افیون" گولیاں فیکٹری پر چھاپہ مارا تو معلوم ہوا کہ افیون چھڑانے والی گولیوں کے نسخہ میں افیون شامل ہے۔ ان گولیوں کو کھانے والے خوش ہوتے ہوں گے کہ ہم نے افیون چھوڑدی۔ اب اس کی جگہ دو گولیاں کافی ہیں۔ اسی طرح اکثر ہسپتالوں میں "مسکنات" کے نام سے نیند آور گولیاں زیادہ مقدار میں دے کر مریض کو ایک نشہ سے دوسرے کی جانب منتقل کردیا جاتا ہے۔ جیسے SUBSTITUTION THERAPY, کہا جاسکتا ہے اس لیے ان کے نتائج دیرپا نہیں ہوتے۔

اردو کے ایک مشہور ادیب شراب نوشی میں اپنے مالی وسائل سے بھی آگے نکل گئے پہلے ان کو جگر کی ایک خطرناک بیماری ہوئی۔ پھر شراب چھوڑنے کے لیے لاہور کے دماغی امراض کے شفاخانہ میں داخل ہوتے۔ وہاں پر ایک ماہ رہنے کے بعد جب باہر آئے تو انہوں نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ مے کدہ کی زیارت تھی۔

شراب زندہ باد ہی رہی۔ البتہ علاج کی وجہ سے چند گولیاں بھی روزینہ میں شامل ہوگئیں۔

امریکہ میں منشیات کے علاج کے ادارے قلعہ نما جیلوں کی صورت میں بنے ہوتے ہیں۔ جہاں ملاقاتیوں کی بھی تلاشی ہوتی ہے تاکہ کوئی ہمدرد بن کر اس کو منشیات مہیا نہ کر رہا ہو اگرچہ ان کا اصول علاج بھی فرائیڈ کے TRANSFERENCE والے اصول پر ہے۔ لیکن وہ دواؤں کے ساتھ ساتھ مریض کو نفسیاتی علاج دے کر اس کی قوت ارادی کو

مضبوط کرتے ہیں۔ چھ ماہ مسلسل رکھنے کے بعد اسے فارغ کر کے وقفوں پر بلاتے رہتے ہیں لگاتار جد وجہد کی وجہ سے ان کے اعداد وشمار اچھے اور حوصلہ افزا ہیں۔ لیکن دوبارہ عادی ہو جانے والوں کی تعداد بھی خاصی زیادہ ہے۔ کیونکہ انسانی ذہن کو محض باتوں سے بدل دینا آسان کام نہیں ۔ اس کے لیے وسیع علم ۔ تجربہ اور لامحدود وقت اور سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ان تمام ضروریات کا ملاپ ہر کسی کے بس کی بات تھی رحمن ۔ بے اعتباری اور احساس کمتری کی وجہ سے ان کے ارادے کمزور اور کسی خواہش کو رد کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

مارفیا میں مبتلا ایک شخص نے ایک کمسن بچہ اغوا کرنے کی کوشش کی اور پکڑا گیا۔ پانچ سال قید با مشقت پائی ۔ جیل میں نہایت عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ نماز کی عادت بھی پڑ گئی ۔ نشے چھوٹ گئے ۔ جب رہا ہوا تو آہستہ آہستہ نماز کم ہوتی گئی ۔ داڑھی منڈی اور پھر سے مارفیا شروع ہو گیا۔ ایک روز زیادہ مقدار میں بھنگ پینے کے بعد مارفیا کا ٹیکہ لگوایا اور موت واقع ہو گئی۔

اس نوجوان کے مقدمہ کی سماعت اور سزا کے دوران چھ سال تک نشہ نہیں کیا۔ مگر جب رہا ہوا اور پرانے دوست ملے تو پھر سے بری عادت اختیار کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

کیونکہ اسے کسی نے منشیات کے خلاف اسلام کے موقف سے آگاہ نہ کیا۔ وہ مذہب سے لگاؤ رکھتا تھا۔ اسے عبادت میں سکون میسر آتا تھا۔ اس کا خلوص ناواقفیت کے ساتھ تھا۔ مگر اس نے اپنی زندگی کو ختم کرنے سے پہلے ہمیں توجہ کے لیے جو اہم بات بتائی وہ یہ تھی کہ جتنے دن وہ نماز پڑھتا رہا اور اس نے اسلام کی علامت داڑھی کے طور اپنے چہرے پر قائم رہی اس نے ٹیکہ نہیں لگوایا۔ لیکن جب تخریب کار احباب کی صحبت بدنے پھر سے برائی پر آمادہ کیا تو سب سے پہلے اسلامی ارکان کو ترک کیا۔

منشیات کے بارے میں جدید علاج کی ناکامی کی سب سے بڑی توجہ یہ ہے کہ وہ

لوگ خود شراب پینے کو برا نہیں جانتے۔ ان کی پالیسی کے مطابق ہیروئن۔ بھنگ اور افیون بری چیز ہیں۔ گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز والی یہ دوغلی پالیسی کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتی بلکہ برطانیہ اور فرانس کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے چین کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ ان سے افیون خریدے۔ جب کہ چینی ملک میں افیون کاشت، فروخت اور استعمال کو جرم قرار دے دیا تھا۔ اس کے برعکس فرانسیسی اور برطانوی تاجر ہندوستان اور تبت سے افیون لاکر چین میں زبردستی فروخت کرنا چاہتے تھے۔ اپنی اس مذموم خواہش کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے ۱۸۳۹-۴۲ء میں تین سالہ "افیون کی جنگ" لڑی اور فتح یاب ہو کر پورے چین کو افیونی بنا ڈالا۔ اب بھی وہ پاکستان کو مجبور کر رہے ہیں کہ پوست کی کاشت بند کر دے لیکن اپنے ممالک میں ہیروئن کے استعمال پر پابندی لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

ایک مرتبہ امریکہ نے بھی اپنے ملک میں شراب کا استعمال ممنوع قرار دیا تھا۔ لوگوں نے دیہات میں خود بنانے کے علاوہ کینیڈا سے درآمد کی راہ نکال لی۔ بھارت میں صوبہ بمبی کی حکومت بھی اس قسم کے ناکام منصوبے چلا چکی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک عام آدمی کو آپ کس وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ منشیات استعمال نہ کرے۔ اگر اس کا بھنگ پینے کو جی چاہتا ہے اور آپ اسے باز رکھنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کے پاس اسے روکنے کی کیا دلیل ہے؟ اگر یہ کہا جاتے کہ یہ صحت کے لیے مضر ہے تو وہاں بھی مسئلہ سگریٹ والا بن جاتے گا۔ ایک طرف حکومت اشتہار دیتی ہے کہ تمباکو نوشی صحت کے لیے مضر ہے اور دوسری طرف سگریٹ کے اشتہار اور سگریٹ سازوں کی طرف سے کھیلوں کے مقابلے ساری جدوجہد کو غارت کر دیتے ہیں۔

منشیات کے نقصانات کو دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے اہمیت دی۔ یہ وہ منفرد مذہب ہے جس نے چودہ سو سال پہلے یہ پیش بینی کر لی تھی کہ نشہ کرنے والا معاشرے کا مفید رکن نہیں رہ سکتا۔ اسلام نے مسئلہ کو پیدا ہونے سے پہلے ہر شخص کو منشیات سے باز رہنے کی ہدایت کر دی۔ انسانی نفسیات کے سب سے بڑے عملی ماہر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے منشیات کے استعمال کو روکنے کے سلسلہ میں جو اہم اقدام کیے ان کا خلاصہ تلخیص کے ساتھ ملاحظہ ہو۔

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

منشیات آپس میں جھگڑا، فساد اور دشمنی کا باعث ہوتے ہیں۔

جس نے نشہ کیا وہ ایسا ہی ہے جس نے خدا کے سوا کسی بت کی پرستش کی اور وہ کافر ہے۔

جس نے نشہ کیا اور وہ توبہ کیے بغیر مرگیا اس کا حشر مسلمانوں کے ساتھ نہ ہوگا۔

جس نے توبہ کرنے کے بعد دوبارہ نشہ بازی شروع کی قیامت والے دن اللہ اسے دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والی پیپ پلائے گا۔

منشیات ہرگز کسی بیماری کا علاج نہیں۔ ان سے علاج نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بذات خود بیماری ہیں۔

خدا نے کسی حرام چیز میں شفا نہیں رکھی۔

منشیات کی کاشت سے لے کر ان کی تیاری اور استعمال کے ہر مرحلہ میں کوئی بھی کام کرنے والا لعنتی ہے۔

منشیات کی فروخت کا منافع کھانے والا ایسا ہے جیسے کہ وہ رنڈی کی کمائی کھا رہا ہو۔

اسلام ایک عملی اور قابل عمل مذہب ہے اس کی بنیادی تعلیمات فرائض اور حقوق سادہ، مفید اور آسان ہیں۔ یہ کسی کو منع کرنے کی بجائے فرد کو اس کے خلاف بنیادی طور پر تیار کرتا ہے۔ وہ ہر سال مسلمانوں کو مہینہ بھر کے روزے رکھوا کر ان میں صبر اور خواہشات کنٹرول کی تربیت دیتا ہے۔ جب ایک شخص رمضان کا چاند دیکھتے ہی اپنے خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے پورا دن بھوکا رہ سکتا ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ اگر اسے سمجھایا جائے تو وہ نشہ نہ چھوڑ سکے۔ کسی مسلمان سے نشہ کی عادت چھڑانے کے لیے اسے کسی علاج گاہ

میں رکھنے اور وہاں خواب آور ادویہ دینے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔ جب اسے سمجھا کر قائل کر لیا جاتے تو وہ کسی بھی اضافی کوشش کے بغیر کسی وقت بھی یہ بری عادت کو ترک کر سکتا ہے۔ جب بھی کسی مسلمان نے خلوص دل کے ساتھ کسی بری عادت کو اپنے خدا کے احکام کی تعمیل میں چھوڑا۔ اسے کبھی بھی نشہ کو ترک کرنے کی وجہ سے تکلیف نہیں ہوتی WITHDRAWAL SYMPTOMS ان کو ہوتی ہیں جن میں ایمان نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص اپنے خدا اور اس کے رسول کے احکام اور ہدایات کو سننے کے بعد بھی منشیات سے باز نہ آتے یا اسے خدا کے ذکر سے بھی سکون قلب میسر نہ ہو۔ اسے نماز سے خود اعتمادی میسر نہ ہو تو وہ بدنیتی میں مبتلا ہے جس کی سزا جسمانی طور پر دینی بڑی کامیاب رہتی ہے۔ عہد رسالت میں نشہ کرنے والوں کو ۲۰ ۔ ۴۰ کوڑے لگتے جاتے تھے۔ خلفاء راشدین کے عہد میں سزا پر نظر ثانی کے دوران یہ دیکھا گیا کہ نشہ میں بیہودہ بکواس۔ یا وہ گوئی فحش حرکات لازمی نتیجہ ہیں اس لیے حضرت علیؓ کے مشورہ پر شرابیوں کو یا وہ گوئی کی سزا میں اسی کوڑے لگنے کا فیصلہ ہوا اور یہ سزا ایسی مفید رہی کہ ان کی وسیع و عریض سلطنت میں منشیات کبھی مسئلہ نہ بن سکے۔

اسلام اور خودکشی

SUICIDE

جب کوئی شخص اپنے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا یہ عمل خودکشی کہلاتا ہے۔ یہ فعل قانون کی رو سے جرم ہے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر وہ اپنی زندگی ختم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس پر مر جانے کی وجہ سے مقدمہ نہیں چل سکتا اور اگر بچ جائے تو یہ عمل قانون میں اقدام خودکشی زیر دفعہ ۳۰۸ تعزیرات پاکستان کی تعریف میں آکر سال تک قید بامشقت کا حق دار ہے۔ عام حالات میں خودکشی سے مراد اپنی جان لینے کی بھرپور کوشش کرنا ہے۔ لیکن ماہرین عمرانیات پر اس عمل کو اس تعریف میں شامل کرنا پسند کرتے ہیں جس میں کوئی فرد زندگی کے دوران ایسی چیزیں کرتا ہے جس سے اس کی صحت۔ تندرستی یا جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے جیسے کہ یہ جانتے ہوئے کہ موٹر سائیکل کو تیز چلانا حادثہ کا باعث ہو سکتا ہے۔ لیکن جب بھی وہ تیز رفتاری کے ساتھ، کبھی ہاتھ چھوڑ کر اور کبھی دوسرے خطرناک کرتب دکھاتا ہے تو وہ اقدام خودکشی کا مرتکب ہے۔ اس کی سب سے بہترین تعریف میں قرآن مجید نے بات کی وضاحت کرتے ہوئے ان تمام اعمال کی ممانعت کر دی جن کے نتیجہ میں ہلاکت کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بأیدیکم الی التهلكة۔

(البقرۃ : ۱۹۵)

("اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو")

عالمی ادارہ صحت نے خودکشی کی تعریف میں ہر اس اقدام کو شامل کیا ہے جس کے نتیجہ میں کوئی اپنی جان کو خطرہ میں ڈالتا یا نقصان پہنچاتا ہے۔ خودکشی آج کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ ابتدا ہی سے انسانیت کے لیے تکلیف دہ حقیقت کی صورت میں قائم ہے۔ جب اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا ہے تو ہر شخص کو افسوس ہونا چاہیے کہ ایک قیمتی جان ضائع ہو گئی لیکن کچھ معاشرے ایسے ہیں جن میں اسے خوشی اور عزت کی بات سمجھا جاتا ہے۔ اپنے آپ کو ضائع کرنے کا فیصلہ کسی طور پر تندرست ذہن کا فیصلہ نہیں ہوتا لیکن دنیا کی پوری تاریخ میں کسی مذہب یا معاشرہ نے اس باب میں کوئی واضح اور دو ٹوک بات نہیں کی۔ توریت اور انجیل میں اس سلسلہ میں کوئی واضح ہدایت موجود نہیں بلکہ توریت مقدس میں چار ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں ملوث لوگوں نے حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے موت اپنائی۔ فراریت کا یہ تصور یونانی فلسفیوں کے یہاں بھی ملتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی علماء اس کی مذمت تو کرتے ہیں لیکن ان کے پاس نہ تو اسے برا کہنے کی کوئی سند ہے اور نہ ہی ان کے مذہب میں اس کی روک تھام کا کوئی طریقہ ملتا ہے۔

اسلام دنیا کا پہلا نظام حیات ہے جس میں خودکشی کرنے والے کو حرام موت کا پتہ بتایا گیا۔ اسلام نے نہ صرف کہ خودکشی کو ناجائز اور کرنے والے کو جہنمی قرار دیا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام اسباب پر توجہ دی اور حل بتایا جن کے نتیجہ میں کوئی خودکشی کا خیال لا سکتا ہے۔ ان کی مکمل اور جامع تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ کوئی سچا اور مخلص مسلمان زندگی سے کبھی اتنا مایوس نہیں ہوتا کہ اسے خودکشی کرنی پڑے۔ اس کے برعکس مذہبی رجحانات ہی خودکشی کا باعث بنتے ہیں۔ ہندو مذہب میں موت زندگی کا انجام نہیں بلکہ مرنے والے کی روح اوپر جانے کی بجائے کسی اور شکل میں دنیا میں واپس آجاتی ہے نیک اور اچھے کام کرنے والوں کی روح کسی اچھی شکل میں واپس آجاتی ہے۔ جب کہ لوگوں کو تنگ کرنے والوں کی روحیں، گدھے، گھوڑے یا کتے کی جون میں لوٹ کر آتی ہیں۔ آواگون کا یہ مسئلہ کرموں یعنی اعمال کا پھل ہوتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے کسی ہندو کے لیے خودکشی کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس نے جلد ہی دنیا میں واپس لوٹ آنا ہے

مگر اس کے باوجود مذہب کے نام پر یا خاندان کی عزت بڑھانے کے لیے خاوند کی چتا میں خوشی سے جل جانے والی عورتیں شاذونادر ہی اپنی خوشی سے جان دیتی ہیں۔ ان کو آئندہ کی اذیت ناک اور بے رنگ زندگی کی دشت میں مبتلا کرنے کے بعد بھنگ پلاکر خاوند کے جنازہ کے ساتھ دے جایا جاتا ہے اور اکثر اوقات جلتی ہوئی آگ میں دھکا دیا جاتا ہے حال ہی میں بیکانیر کی ایک عورت کو شراب پلاکر زبردستی آگ میں ڈالنے پر کئی افراد پر مقدمہ چلایا گیا۔

امریکہ میں ایک سوامی نے لوگوں کو مکتی یا نروان اور سکون قلب کا جھانسا دے کر ایک بستی بسائی جہاں ان کو جنسی بے راہروی کے ساتھ منشیات کا کھلے بندوں استعمال سکھایا۔ جب اسے پتہ چلا کہ پولیس نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا ہے اور وہ فحاشی پھیلانے اور منشیات فروشی کے جرم میں پکڑا جانے والا ہے تو اس نے اپنی امت کو جمع کر کے عذاب خداوندی، جہنم اور دوسری باتیں سنا کر بتایا کہ اگر تمام لوگ آج رات خودکشی کر لیں تو وہ یقیناً جنت میں جائیں گے۔ چنانچہ اگلے دن ۸۰۰ عورتوں اور بچوں نے بالٹیوں میں گھول کر زہر پیا اور جنت کی لالچ اور عذاب کے ڈر سے اپنے مرشد سمیت خودکشی کر لی۔

خودکشی کی عالمی صورت حال:

دنیا کے ہر ملک اور دور میں عمرانیات، معاشرتی بہبود اور نفسیات کے ماہرین نے خودکشی پر تحقیقات کی ہے۔ لوگ اس کے اسباب کو جاننے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور اعداد و شمار کے ذریعہ یہ جاننے کی محنت کی جاتی رہی ہے کہ خودکشی کون کرتے ہیں۔ کب کرتے ہیں اور کیسے کرتے ہیں اور ان میں عمروں اور جنس کا تناسب کیا ہوتا ہے؟

فرانس کی مسلح افواج کے ہر ایک لاکھ جوانوں میں سال بہ سال خودکشی کی

شرح یہ رہی۔

سال	پیدل فوج	بجریہ	عوام الناس سے تقابلی جائزہ
۱۸۹۰	۵۵	—	۲۷
۱۹۱۳	۴۳	۴۶	۲۳
۱۹۲۴	۱۱۰	۱۴۱	۲۱
۱۹۳۴	۳۸	۳۹	۲۹
	۲۴۶	۲۲۶	۱۰۰

اس موازنہ سے معلوم ہوا کہ عام شہریوں کی نسبت فرانسیسی فوج میں خودکشی کا شوق زیادہ ہے۔ اعداد و شمار کے لحاظ سے حیرت کی بات یہ ہے کہ جب فسادات اور عالمی جنگوں کے درمیان لوگوں کی جان پر بنی ہوتی ہے تو ان دنوں خودکشی کے واقعات کم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر امریکی سول وار کے دنوں میں خودکشی کی شرح میں ۲۴ فیصدی کی کمی آگئی۔ ۱۸۴۴ء میں آسٹریا اور اٹلی کے درمیان جنگ کے دوران اس شرح میں ۱۹ فیصدی کمی ہوتی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران یورپی ممالک میں کمی کا تناسب یہ تھا۔

فرانس	۳۹ فیصدی
امریکہ	۳۶ 〃
انگلستان	۲۵ 〃
سویڈن	۳۰ 〃
سوئٹزرلینڈ	۴۶ 〃

دلچسپ بات یہ ہے کہ سویڈن اور سوئٹزرلینڈ اس جنگ میں شامل نہ تھے۔ مگر جنگ کی دہشت نے لوگوں میں خودکشی کے رجحان کو کم کر دیا۔ یا زندگی کی غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر ان ایام میں لوگ خدا کو پکارتے رہے اور اس طرح ان کے دماغوں میں فاسد خیالات کو زیادہ پذیرائی نہ ملی۔

جرمنی میں یہودیوں کے نسل کشی کی مہم کے دوران کلاس منان نامی یہودی

پہلے جرمنی میں پھر فرانس میں اور فرانس کی شکست کے بعد جان جوکھم سے امریکہ پہنچا جب وہاں پر دہ خطرات سے محفوظ ہوکر برسر روزگار ہوگیا تو اس نے خودکشی کرلی۔ بارہ سال تک چھپتا اور جان بچاتا رہا مگر جب خطرے ٹل گئے اور اطمینان کی زندگی نصیب ہوتی تو اس نے خودکشی کرلی۔

جب فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری شروع ہوتی تو عربوں نے اس طوفان بلا کے خلاف احتجاج کیا۔ مفتی اعظم فلسطین کی قیادت میں مسلح جنگ کا آغاز ہوا۔ عربوں نے یہودی آبادیوں پر حملے کیے اور برطانوی فوج ان کو بچانے پر مامور رہی۔ اس قضیہ کے دوران یافہ کی یہودی بستیوں میں۔

ایک سال کے پورے عرصہ میں خودکشی کا ایک بھی واقعہ نہ ہوا۔ جرمنی میں جب ان کی گوشمالی ہورہی تھی تو آبادیوں میں خودکشی کی شرح میں ۱۰ فیصدی کمی آگئی۔

عالمی ادارہ صحت نے ۱۹۶۸ء میں دنیا بھر کے ممالک سے خودکشی کے اعداد و شمار کو جمع کرکے ایک خصوصی دستاویز کی صورت شائع کیا ہے۔

ذیل میں دیے گئے اس موازنہ میں ہر ملک میں ہر ایک لاکھ کی آبادی کے تناسب سے خودکشی کرنے والوں کی تعداد بیان کی گئی ہے۔

ملک	مرد	عورتیں	مرد	عورتیں
	۱۹۵۲-۵۴	۱۹۵۲-۵۴	۱۹۶۱-۶۳	۱۹۶۱-۶۳
آسٹریلیا	۲۱.۵	۷.۷	۲۷.۵	۱۲.۲
آسٹریا	۴۳.۵	۱۹.۲	۴۲.۵	۱۶.۹
چیکوسلاویکیا	—	——	۴۵.۹	۱۶.۵
ڈنمارک	۴۳.۶	۲۵.۶	۳۲.۴	۱۶.۲
انگلستان اور ویلز	۱۸.۵	۹.۵	۱۸.۳	۱۲.۲

ملک	مرد	عورتیں	مرد	عورتیں
	۱۹۵۲-۵۴	۱۹۵۲-۵۴	۱۹۶۱-۶۳	۱۹۶۱-۶۳
فن لینڈ	۴۳.۶	۹.۹	۴۷.۷	۱۲.۳
فرانس	۳۲.۶	۹.۴	۳۲.۳	۱۰.۵
جرمنی	۳۳.۷	۱۵.۱	۳۳.۳	۱۶.۲
ہنگری	—	—	۴۸.۹	۲۰.۳
اسرائیل (یہودی آبادی)	—	—	۱۱.۹	۸.۲
اٹلی	۱۱.۹	۴.۸	۱۰.۲	۴.۲
جاپان	۲۸.۸	۲۴.۵	۲۹.۵	۲۰.۶
ناروے	۱۵.۱	۴.۶	۱۵.۷	۴.۵
سکاٹ لینڈ	۱۰.۷	۴.۶	۱۵.۲	۸.۱
سویڈن	۳۵.۲	۱۰.۷	۳۲.۵	۱۱.۶
سوئٹزرلینڈ	۴۴.۹	۱۴.۳	۳۳.۹	۱۳.۲
امریکہ	۲۲.۸	۵.۹	۲۴.۵	۷.۷

اس موازنہ میں اہم ترین بات یہ ہے کہ اس میں صرف ۱۷ ممالک کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ وہ ملک ہیں جہاں خودکشی کرنے والوں کی تعداد قابل ذکر ہے۔ لیکن ایسا کوئی ملک نہیں جو مسلمان کہلاتا ہو یا جہاں پر مسلمانوں کی آبادی پچاس فیصدی سے زیادہ ہو۔ مسلمانوں کے ایسے ملک بھی ہیں جہاں اسلام برائے نام ہے یا وہ اسکے باوجود سیکولر کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی ایسا ملک شامل نہیں جہاں خودکشی کی شرح قابل ذکر ہو۔ اسرائیل میں خودکشی کے اعداد و شمار صرف ان علاقوں سے متعلق ہیں جن میں مسلمان آباد نہیں۔ حالانکہ اسرائیلی مقبوضات میں بیت المقدس، رملہ اور غازا کے علاقوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ لیکن وہاں کے لوگ خودکشی نہیں کرتے۔

اس فہرست میں پاکستان، ایران، سعودی عرب، افغانستان بھی نہیں۔ خودکشی
پاکستان میں ہوتی ہے لیکن اس کی شرح اتنی کم ہے کہ ۱۹۸۹ء میں لاہور اور اس
کے گرد و نواح میں اس قسم کے صرف ۴۷ واقعات ہوئے اور ان میں سے ہر واقعہ چونکہ
عجیب تھا اس لیے اخبارات میں شائع ہوا۔ اگر گہرائی میں جائیں ان ۴۷ میں سے کم از
کم بیس ایسے ہوں گے جہاں لوگوں نے اپنی صلاحیت سے قتل کو خودکشی باعث موت
بنا دی۔ ہمارے ذاتی علم میں چند ایسے واقعات موجود ہیں جہاں باعث موت کی شہرت
یہ رہی کہ متوفیہ نے اپنے جسم پر تیل ڈال کر آگ لگالی۔ حالانکہ ان پر باقاعدہ تیل چھڑک
کر آگ لگائی گئی تھی۔ ایک خاتون کے جسم پر نہ صرف تیل ڈالا گیا بلکہ اس کے جسم پر استری
کو گرم کرکے پھیرا بھی گیا تھا۔

خودکشی کرنے والوں کے اس تقابلی جائزے میں دلچسپی کی ایک اہم چیز یہ ہے کہ
جو ممالک دوسری جنگ عظیم میں شامل تھے ان میں اپنے کو ہلاک کرنے والوں کی تعداد
غیر جانبدار ملکوں کی نسبت کم ہے۔ سوائے جاپان کے، کیونکہ جاپان میں خودکشی کرنا ایک باوقار
عمل بھی ہے۔ لیکن یہ عزت صرف بالائی طبقہ کے لیے مختص ہے۔ شکست ہونے پر کوئی
جرنیل خودکشی کرلے تو اس نے اپنی عزت اور وقار کو بحال کر لیا۔ البتہ شہنشاہ کی موت پر
اگر ملک کے ۵۰۰ افراد مرنا پسند کرلیں یا صلح کے شرمناک معاہدہ کے سوگ پر کوئی جل
مرے تو اس عزت افزائی کے لیے امارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۱۹۴۲ء میں یونانی چھاپہ ماروں کے خلاف کارروائی کے دوران نازی فوجوں نے
ایک گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔ گاؤں والوں نے نازیوں کے ہاتھ مرنے کی بجائے مرکز میں
جمع ہو کر خوب شراب پی اور پھر بدکرداریوں میں مبتلا ہو کر جل مرے۔ ۱۲۲۰ء میں چنگیز خان
نے بخارا فتح کیا تو وہاں پر قتل عام کیا گیا۔ تاتاریوں نے عورتوں کو برسرِعام رسوا کیا۔ شہر
میں قتل و غارت اور آبروریزی کی اس اجتماعی ذلت کی شرمندگی میں عمائدین شہر میں سے
رکن الدین امام زادہ اور صدر الدین خان کے علاوہ درجنوں معززین نے خودکشی کر لی۔
جنگوں کے بعد اس قسم کی صورت حال کے بارے میں وحشت و بربریت کے ان مظاہروں

کی بات مدتوں پہلے واضح   نشان دہی قرآن مجید نے یوں فرمائی۔

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة۔ (النمل۔۲۷۔۳۴)

(فاتح افواج جب کسی مفتوحہ شہر میں داخل ہوتی ہیں تو وہاں پر فتنہ وفساد برپا کرنے کے ساتھ ساتھ عزت داروں کی عزت کو ذلت میں تبدیل کر دیتی ہیں)

تاریخ میں یہ صورت حال نئی نہیں۔ توریت مقدس میں مذکور ہے۔

"تب کسی عورت نے چکی کا پاٹ ابی ملک کے سر پر پھینکا اور اس کی کھوپڑی کو توڑ ڈالا۔ تب ابی ملک نے ایک جوان کو جو اس کا سلاح بردار تھا۔ بلا کر اس سے کہا کہ اپنی تلوار کھینچ کر مجھے قتل کر ڈال تا کہ میرے حق میں   لوگ یہ نہ کہنے پائیں کہ ایک عورت نے اسے مار ڈالا۔ سو اس جوان نے اسے چھید دیا اور وہ مر گیا۔"

(قضاۃ ۹۔ ۵۳/۵۶)

ابی ملک نے اپنے جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کے لیے اپنے آپ کو قتل کروایا۔
اسی طرح کی دوسری ساؤل بادشاہ کی ہے۔ جب فلستیوں نے اس کے ایک دن میں تین بیٹے ہلاک کر دیے تو وہ حوصلہ چھوڑ بیٹھا۔

"تب اس نے اپنے سلاح بردار سے کہا کہ اپنی تلوار کھینچ اور اس سے مجھے چھید دے۔ تا نہ ہو کہ یہ نامختون آئیں اور مجھے چھید لیں اور بے مجھے بے عزت کریں۔ پر اس کے سلاح بردار نے ایسا نہ کرنا چاہا، کیونکہ وہ ڈر گیا تھا۔ اس لیے ساؤل نے اپنی تلوار لی اور اس پر گرا۔ جب اس کے سلاح بردار نے دیکھا کہ ساؤل مر گیا تو وہ بھی اپنی تلوار پر گرا اور اس کے ساتھ مر گیا۔

(سیموئیل۔I۔ ۶۔۴ : ۳۱)

ان دونوں مقامات پر زخم کی اذیت اور شکست کے احساس نے اچھے بھلے جابر حکمرانوں کو عاجز کر دیا اور وہ مقابلہ کرنے کی بجائے اپنے کو ہلاک کرنے پر مجبور ہوئے۔

حوصلہ چھوڑنے والے ان لوگوں کو ہمت افزائی کے لیے قرآن مجید نے جنگ میں افرادی طاقت کے موازنہ کی بڑی اچھی مثال دی ہے۔

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین۔ (البقرۃ: ۲۴۹)

ایسے کتنے ہی واقعات ہوتے ہیں جب مختصر افواج اپنے سے کہیں زیادہ تعداد کی افواج پر اللہ کے حکم سے غلبہ پایا کیونکہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

• اس آیت کی سچائی کی سب سے پہلی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ہیں کہ مخالفین کی اذیت رسانیوں سے عاجز آکر وہ اپنا گھر بار اور شہر چھوڑ کر کسی اثاثہ کے بغیر مکہ سے ہجرت کر گئے مگر حوصلہ نہ ہارا۔ آخر ایک دن آیا جب وہ اسی شہر میں فاتح کی حیثیت میں داخل ہوئے اور ان لوگوں سے مظالم کا بدلہ لینے کی بجائے اعلان کیا۔

"آج تم سے کوئی بدلہ نہ لیا جائے گا"

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن محبت، صلہ رحمی اور درگزر کے ساتھ باوقار زندگی کا بھی تھا۔ وہ قتل وغارت لوگوں کو اذیت دینے، لوٹ مار، اغوا اور آبروریزی والے گھٹیا کاموں کو ختم کرنے آئے تھے۔ جب کبھی ان پر جنگ مسلط کی گئی تو پھر اس میں فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر اللہ کے بھروسہ پر شریک ہوئے اور انہوں نے دشمن کی عددی برتری کو اپنے لیے کسی اہمیت کا باعث نہیں جانا۔ جب ان کو ابی ملک اور شاہ ساؤل جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا تو ان کا فیصلہ جراُت مندانہ تھا۔

ایک مسلمان جنگ میں بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا اور لوگ اس کی جراُت کو داد دے رہے تھے کہ وہ شدید زخمی ہو گیا۔ زخم کی دہشت اور درد سے پریشان ہو کر اس نے اپنی ہی تلوار کو اپنے پیٹ میں گھونپ کر خود کو ہلاک کر لیا۔ اس شخص کے پاس اپنے کو

ہلاک کرنے کی معقول وجہ موجود تھی۔ لیکن اس فوج کے کمانڈر نے کسی مسلمان کے لیے تکلیف کے آگے ہتھیار ڈالنے والی فراریت کو ناپسند فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کو حرام موت قرار دیا کیونکہ زندگی جیسی اہم چیز کو ضائع کرنا ہمارے اختیار میں نہیں۔

اس کے برعکس ابوجہل کو ہلاک کرنے والے نوعمر لڑکوں میں سے ایک کا آدھا بازو لڑائی میں کٹ گیا۔ اور لڑکے نے اپنے لٹکتے ہوئے بازو کو پیر کے نیچے دبا کر اسے تن سے علیحدہ کر کے پھر جنگ لڑی۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کون جانے کہ کب سانس رک جائیں۔ دھڑکن بند ہو جاتے اور معالج مایوس ہو جائیں تو خدا پھر بھی زندگی لوٹا دے۔ اس لیے آس توڑنا خدا پر عدم اطمینان کے مترادف ہے۔

خودکشی کے خلاف اسلام کی تعلیمات کا ایک اہم حصہ حالات کا مقابلہ کرنا ہے جب بلالؓ کو تپتی ریت پر گھسیٹا جاتا تھا یا خبیبؓ کو اذیت رسانی کے بعد پھانسی دی جانے لگی تو انہوں نے آخری لمحات میں بھی اپنے موقف میں کوئی تبدیلی نہ کی اور وہ ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ حالات کا مقابلہ کیا جائے اور ان کے آگے عاجز ہونا یا ہتھیار ڈالنا کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

تاریخ کے ہر دور میں فاتح افواج نے مغلوب مملکت میں وحشت اور بربریت کے کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ دور کیوں جائیے جرمنی کو ختم کرنے والی مہذب قوموں نے بھی وہی کچھ کیا جو چنگیز اور ہلاکو کرتے آئے تھے۔ بے بس خواتین کو رسوا کرنا۔ ماؤں کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے ان کے معصوم بچوں کا قتل جرمنی اور جاپان میں یکساں طور پر ہوا۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی افواج کا عمل ماضی کے واقعات سے مختلف نہیں۔ جاپان اور جرمنی میں قتل عام کی رہی سہی کسر ایک نام نہاد عدالت کے ذریعہ پوری کی گئی جس نے ہر ملزم کو سزائے موت دی اور جن میں تھوڑی سی اکڑ تھی انہوں نے دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جانے کی بجائے خودکشی کو ترجیح دی۔ جیسے کہ فیلڈ مارشل ہرمن گوئرنگ نے پھانسی پر لٹکنے کی بجائے زہر کھا کر خود کو ختم کر لیا۔

انسان جب حالات سے مایوس ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ختم کرنے کی سوچتا ہے

اعتراف شکست کی یہ گھٹیا صورت صدیوں سے جاری ہے اور اکثر جگہ لوگوں نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ جیسے کہ جب کوئی ہندو عورت بیوہ کی زندگی گزارنے کی بجائے خاوند کی چتا میں جل جاتی ہے تو اسے بڑے اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے۔ جب کوئی جاپانی جرنیل شکست ہونے پر پیٹ میں سمورائی تلوار گھونپتا ہے تو اس کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ جب مصیبت یا جارحیت کے مقابلے میں خود کو تنہا پاتے ہیں تو فرار کے لیے اپنے کو ہلاک کرنے کی سوچتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اسلامی تعلیمات کا عکس حضرت عبداللہ بن زبیرؓ میں دیکھیے۔ حجاج بن یوسف نے مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ ان کے ساتھی ساتھ چھوڑ گئے اور دشمن کے مقابلے میں جب تنہا رہ گئے تو میدان جنگ میں جانے سے پہلے اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ سے الوداعی ملاقات کو گئے۔

ماں نے جب گلے لگایا تو محسوس کیا کہ بیٹے نے قمیص کے نیچے لوہے کی زرہ بکتر پہنی ہے۔ ماں نے کہا، "عبداللہ! یہ کیا؟ تم دشمن سے لڑنے کے لیے جا رہے ہو اور مرنے سے اتنا ڈرتے ہو۔ اگر تم حق پر ہو تو ساتھیوں کی تعداد کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔"

عبداللہ نے جواب دیا کہ میں مرنے سے تو نہیں ڈرتا۔ البتہ اب میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ دشمن مجھے قتل کر کے میری لاش کو مسخ کر دیں گے۔

ماں نے کہا، "عبداللہ! بکری جب ذبح ہو جائے تو اس کے خواہ کباب بنائے جائیں یا شوربا بنے۔ اس سے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

عبداللہ بن زبیرؓ تنہا لڑے۔ قتل کیے گئے پھر ان کو پس مردن کعبہ کے ساتھ لٹکا دیا گیا لیکن انہوں نے نہ تو بھاگنے کی سوچی نہ دشمن کے آگے ہتھیار ڈالے اور نہ ہی دشمن کے ہاتھوں مرنے کی بجائے خودکشی کا خیال کیا۔

اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر مفتوحہ علاقہ کی کسی مسلمان عورت کے گھر میں دشمن گھس آئیں اور اسے بے آبرو کرنے کی کوشش کریں تو وہ کوٹھے سے چھلانگ

لگانے یا کنوئیں میں کود مرنے کی بجائے چھری لے کر ان پر حملہ آور ہو جائے۔ اس کے لیے عزت کی بات دشمن کی سنگینوں سے مجروح ہو کر مرنا ہے۔ اس کوشش میں اس نے دشمن کو یہ بتا دیا کہ اس قوم کی عورتیں بھیڑ بکریاں نہیں، وہ لڑ کر مرنا پسند کرتی ہیں۔ اس قسم کے مقابلوں میں دو چار عورتیں تو ضرور ماری جائیں گی لیکن دشمن کو پتہ چل جائے گا کہ ان پر ہاتھ اٹھانے سے اپنی جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے اور اس طرح دشمن دوسرے گھروں میں جانے کی ہمت نہیں کرے گا۔ اسلامی حالت میں وحشت زدہ ہو کر خود کو ہلاک کرنا بزدلی ہے۔ دشمن کے ہاتھ سے مر جانا شہادت ہے اور اس کا اجر جنت الفردوس ہے۔

انگلستان میں دستور تھا کہ اگر کوئی سزا یافتہ مجرم اپنی بے گناہی پر اصرار کرے تو وہ عدالت سے تادم مرگ مقابلہ کی رعایت طلب کر سکتا تھا۔ مجرم کی عرضداشت کے بعد عدالت اس کے مدمقابل کو مقرر کرتی اور CANNON LAW کے تحت یہ مقابلہ موت پر ختم ہوتا تھا۔ اگر مجرم زندہ بچ جاتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا تھا جب کہ ماہرین نفسیات نے ان مقابلوں یا وقار کی حفاظت کے چیلنج یعنی DUEL کو بھی خودکشی قرار دیا ہے۔

خودکشی کا روایتی طریقہ ہے کہ ایک فرد محسوس کرتا ہے کہ معاشرہ اس سے انصاف نہیں کر رہا۔ وہ مایوس ہو کر یا لوگوں کو اپنی دیانت اور سچائی کے اظہار کے لیے ہلاک ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس غرض کے لیے وہ عام طور پر اپنے خیالات کا اظہار ایک پرچہ کی صورت میں کرتا ہے۔ اور پھر زہر پینا یا پھانسی لگا لیتا ہے۔ انگلستان کے شہر شیفیلڈ کے ڈاکٹروں کے تعاون سے یہ جاننے کی کوشش کی گئی کہ کتنے لوگ دراصل خودکشی کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ کوشش کرنے والا اگر زندہ بچ جائے تو بات چھپائی جاتی ہے۔ جیسے کہ لاہور کی ایک مشہور اداکارہ نے نیند کی گولیوں کی ایک کثیر مقدار کھا کر اپنے کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ بر وقت علاج سے وہ بچ گئی۔ مگر اس کے خلاف اقدام خودکشی کا مقدمہ اس لیے نہ بن سکا کہ قانون کا گھر پورا کرنے کے لیے کوئی وضاحت یا بہانہ تلاش کر لیا گیا۔

شیفیلڈ کی سروے میں ایسے تمام واقعات کو جب جمع کیا گیا تو معلوم ہوا تو پانچ

لاکھ کی اس آبادی میں خودکشی کے جتنے کیس تھانوں میں رجسٹر ہوئے حقیقت میں کوشش کرنے والے ان سے دس گنا زیادہ تھے ۔ اسی قسم کے مشاہدات سے لاس اینجلز اور جینوا سے پتہ چلا کہ خودکشی کرنے والوں کی تعداد دراصل زیادہ ہوتی ہے ۔ بروقت پتہ چلنے سے اکثر بچا لیے جاتے ہیں یا اکثر کا خیال بھی ہوتا ہے کہ لوگ ان کو بچا لیں گے ، البتہ ان کا احتجاج واضح ہو جانے پر لوگ ان سے اچھا سلوک کرنے پر مجبور ہو جائیں گے ۔

مشہور امریکی اداکارہ مارلین منرو کبھی کبھی نیند کی گولیاں زیادہ مقدار میں کھا کر خودکشی کی کوشش کیا کرتی تھی ۔ گولیاں کھا کر وہ کسی کو بلوا لیتی اور بچ جاتی ۔ ایک مرتبہ گھر میں تنہائی کے دوران اس نے گولیاں کھائیں اور پھر جسم میں سکت نہ رہی ۔ ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا بھی مگر بات کرنے کی مہلت نہ مل سکی ۔ اس طرح چلتی بنی ۔

خودکشی کرنے والے بہت سے لوگوں سے ہم نے بھی پوچھا ہے ۔ ان میں ۱۰ ۔ ۸ فیصدی ایسے تھے جو واقعی خود کو ہلاک کرنا چاہتے تھے ورنہ اکثریت صرف تکلیف حاصل کرنے یا دوسروں کو اپنی موت کے ارادے سے مطلع کرنے تک محدود تھی ۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مارلین منرو کی طرح دھمکی اصلیت کی شکل اختیار کرے اور موت واقع ہو جائے ۔

لاہور میں ایک نوجوان شادی کے چند دن بعد سسرال کے گھر میں گلا کاٹنے سے ہلاک ہو گیا ۔ اس کے لواحقین کا خیال تھا کہ لڑکے کی دلہن نے کسی شخص کی امداد سے اسے ذبح کیا ۔ دلہن مدتوں حراست میں رہی ۔ آخر عدالت عالیہ نے اسے بری کر دیا ۔

خودکشی کے طریقے :

اپنے آپ کو ہلاک کرنا اور اس عمل کے دوران اذیت کو برداشت کرنا آسان کام نہیں ۔

بنکاک میں مگرمچھوں کا ایک فارم ہے ۔ اسی سال مارچ میں ایک عورت ناظرین

کی ایک کثیر تعداد کے سامنے اس میں کود گئی۔ کودنے سے پہلے اس نے شور مچایا کہ وہ اس زندگی سے تنگ آ کر اپنے آپ کو ختم کر رہی ہے۔ ہزاروں دیکھنے والوں کے سامنے مگرمچھوں نے اسے پھاڑ کر کھا لیا۔

امریکہ میں خودکشی کے مختلف طریقوں کا ایک جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے اعداد و شمار یوں رہے۔

	۱۹۵۵		۱۹۶۵	
	مرد	عورتیں	مرد	عورتیں
منشیات کی زیادہ مقدار	۲۹	۱۴۵	۵۹	۱۲۳
کیمیاوی زہریں	۳۱	۹۰	۲۷	۶۰
گھر میں جلنے والی گیس	۱۴	۳۵	۶	۹
دوسری کیمیاوی گیسیں	۹۵	۵۷	۱۱۳	۸۷
گلا گھونٹنے اور پھانسی سے	۲۰۸	۲۲۸	۱۵۸	۱۲۴
پانی میں ڈوبنے سے	۲۹	۷۲	۲۰	۴۳
بارود اور آتشیں اسلحہ	۵۲۵	۲۵۲	۵۴۶	۲۳۰
بلندیوں سے کود کر	۲۶	۵۰	۳۱	۴۸
تیز دھار آلات	۲۸	۳۲	۱۹	۱۹
دیگر ذرائع	۱۵	۳۱	۲۰	۵۹
	۱۰۰۰	۱۰۰۲	۱۰۳۹	۱۰۰۱

امریکی شہریوں کو آتشیں اسلحہ، بارود اور کیمیاوی زہریں آسانی سے میسر ہیں اس لیے انہوں نے خودکشی کے لیے ان کو زیادہ پسند کیا، جب کہ سمندر یا جھیلوں میں ڈوب کر مرنا ان میں مقبول نہیں رہا۔ حال ہی میں پاکستان کے ایک مشہور عالم اور فلسفی نے دریائے سندھ

پر جاکر اپنے کپڑے اتارے ران کو سلیقہ سے تہہ کیا۔ اپنا چشمہ اتار کر رکھا، جوتے اور جرابیں اتاریں اور پھر کود کر ڈوب گئے۔ ایک زمانہ ان کو احترام دیتا تھا، علمی حلقوں میں ان کی بے پناہ شہرت اور منزلت تھی۔ مگر یہ بڑھاپے میں ایک ایسی موت مر گئے جو نہ تو ان کے عزیزوں کو پسند آئی اور نہ ہی ان کا مذہب اسے اچھے الفاظ میں یاد کرتا تھا۔

اس قسم کی ایک سروے انگلستان اور ویلز میں بھی ہوئی۔ جس کا جائزہ یوں میسر ہے۔

	۱۹۵۵		۱۹۶۵	
	مرد	عورتیں	مرد	عورتیں
منشیات کی زیادہ مقدار	۷۹	۱۸۲	۲۴۶	۴۸۶
کیمیادی زہریں	۲۹	۲۲	۲۴	۱۹
گھریں جلنے والی گیس	۴۱۲	۵۵۳	۲۳۵	۳۲۲
دوسری کیمیادی گیسیں	۱۳	۱	۴۸	۷
گلا گھونٹنے اور پھانسی سے	۱۸۷	۶۴	۱۳۴	۵۵
پانی میں ڈوبنے سے	۹۲	۱۰۶	۶۰	۶۶
بارود اور آتشیں اسلحہ سے	۷۱	۵	۶۳	۴
تیز دھار آلات	۵۳	۱۱	۲۱	۵
بلندیوں سے کود کر	۱۹	۲۹	۱۸	۱۷
دیگر ذرائع	۴۳	۲۶	۵۰	۱۹
کل تعداد	۹۹۸	۹۹۹	۹۹۹	۱۰۰۰

ان دونوں جائزوں کو اگر آمنے سامنے دیکھیں تو۔

	۱۹۵۵ء میں خودکشی کرنے والے مرد اور عورتیں	۱۹۶۵ء میں خودکشی کرنے والے مرد اور عورتیں
انگلستان اور ویلز	۱۹۹۷	۱۹۹۹
امریکہ	۲۰۰۲	۲۰۴۰

ان اعداد و شمار میں دلچسپ بات یہ نظر آتی ہے کہ انگلستان کی ۷۵ فیصدی عورتوں اور ۵۳ فیصدی مردوں نے ۱۹۵۵ء میں مرنے کے لیے زہر کھانا پسند کیا۔ جب کہ ۱۹۶۵ء میں مردوں میں زہر کھانے کا شوق بڑھ گیا۔ اور ۷۵ فیصدی مردوں نے زہر کھائی جب کہ خواتین کی ۸۵ فیصدی تعداد نے زہر کھانا پسند کیا۔ انگلستان میں گھریلو گیس سے مرنا زیادہ پسندیدہ رہا۔ چونکہ ایسی گیس امریکہ میں نہیں ہوتی اس لیے وہاں اپنے آپ سے بیزار آتشیں اسلحہ اور دھماکہ خیز مواد پسند کرتے ہیں۔ پاکستان اور بھارت میں ڈوب کر مرنا، بلندی سے کودنا، پھانسی لینا اور زہر کھانا زیادہ مقبول طریقے رہے ہیں۔ اگرچہ موتیں اسلحہ سے بھی ہوتی ہیں لیکن کم، چونکہ اس کی اتنی فراوانی نہیں۔ گیس ابھی نئی نئی آئی ہے اور اکثر کو اس سے مرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ اس لیے اس کا استعمال بہت کم ہے یہاں کے لوگوں نے اپنے کو مارنے کے فن میں کچھ زیادہ ترقی اس لیے بھی نہیں کی کہ اس خطہ میں اسلامی کلچر کا اثر غیر مسلموں پر بھی ہوا ہے۔ اس لیے خودکشی کرنے والے ہر شخص کو احساس گناہ ضرور ہوتا ہے بلکہ اکثر کی خودکشی ابتدائی طور پر دکھاوے کے لیے ہوتی ہے۔ کئی بے وقوف گھر والوں سے اپنا چھوٹا موٹا مطالبہ منوانے کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ چونکہ ان کا عمومی مقصد ہلاکت نہیں بلکہ دہشت ڈالنا ہوتا ہے اس لیے وہ نہ تو کوئی مشکل ترکیب تلاش کرتے ہیں اور نہ ہی اس باب میں کسی اضافی خرچ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ امید رکھتے ہیں کہ جیسے ہی گھر والوں کو پتہ چلا وہ بچالیں گے۔ جب کہ بلندی سے کودنے، گولی مار لینے اور گلے میں پھندا ڈالنے کا انجام صریحاً موت ہوتا ہے۔

مغربی ممالک میں خودکشی کا شوق ۱۵ سال کی عمر کے بعد شروع ہوتا ہے اور

۶۴ - ۵۵ سال کی عمر کے درمیان اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ جب کہ پاکستان میں ۶۴ - ۵۵ سال کی عمر والے اگر اپنی پوری زندگی بدکاری۔ آوارگی اور جرائم میں بھی گزر چکے ہوں تو بھی اس مرحلہ پر تائب ہو جاتے ہیں۔ جس کی بیٹی جوان ہو جاتے یا نانا، دادا بن جاتے۔ اپنے کردار کی درستگی پر خود بخود تیار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اگلے جہان کی تیاری کے سلسلہ میں داڑھی رکھنا۔ نماز پڑھنا اور شریف آدمی بن جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اسلام کو دل سے قبول کر لیتا ہے تو اس کی زندگی مطمئن ہو جاتی ہے اور اسے خودکشی کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ہندو پاک میں خودکشی کرنے والوں کی اکثریت فاترالعقل، مخبوط الحواس، بے کار آوارہ اور بھٹکے ہوئے نوجوانوں یا خاوندوں کی ستائی ہوئی عورتوں یا مایوس العلاج مریضوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

> ایک نوجوان کو قتل عمد میں سزائے موت ہوئی۔ رحم کی اپیل میں مذہبی جنون کے بہانہ سے عمر قید پائی۔ کچھ سالوں بعد رہا ہوئے تو بے گناہ کے خون کی خلش اور مسلسل بے کاری کی وجہ سے افیون کی زیادہ مقدار کھا کر خودکشی کر لی۔

ہسپتالوں میں روزانہ اقدام خودکشی کے کئی مریض آتے ہیں۔ تقریباً سب ہی بچ جاتے ہیں۔ کیونکہ فی الواقعی ان کا پروگرام مرنے کا نہیں ہوتا۔ ان کو بچانے کے لیے جو بھی کوشش کی جاتی ہے وہ اس میں پورا تعاون اس لیے بھی کرتے ہیں کہ مرنا ان کے پروگرام میں شامل نہیں ہوتا۔

> ایک بڑے ہسپتال کی نرس نے رات کی ڈیوٹی کے دوران نیند کی ۵۰ گولیوں کے ساتھ مارفیا کے ۱۵ ٹیکے بھی خود کو لگا لیے۔ چند منٹوں میں اثر شروع ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو اپنی کرتوت بتائی تاکہ وہ بچا لیں۔ اب وہ مرنے پر تیار نہ تھی۔ تین ڈاکٹر ساری رات اس پر محنت کرتے رہے مگر وہ بچ نہ سکی پوسٹ مارٹم پر معلوم ہوا کہ وہ تین ماہ کے حمل سے تھی اور اس رسوائی کا

سامنا کرنے کی بجائے مرنے پر تیار ہوگئی۔
شرمندگی۔ احساس گناہ اور ذلت کی دہشت ایشیائی ملکوں میں خودکشی کا بڑا سبب بنتے ہیں۔

خودکشی کی ضرورت:

ایک عام آدمی کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو ایک فرد جب اپنے حالات سے مایوس ہوتا ہے۔ ناکامیاں اور بدقسمتی اس کے پیچھے لگ جاتی ہیں۔ کاروبار میں پے در پے نقصانات کے بعد ادائیگی ممکن نہیں رہتی تو وہ سوچتا ہے کہ ایسی بے کار اور دکھوں بھری زندگی گزارنے کی نسبت مر جانا زیادہ بہتر ہے۔ پہلے یہ خیال ہوتا ہے پھر ناکامی کا ایک اور سانحہ اسے ارادے میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ارادے باندھنا اور توڑنا چلتا رہتا ہے۔ پھر ایک دن وہ فیصلہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو ختم کر لیتا ہے۔ ختم کرنے سے پہلے اور دوران وہ مسلسل تذبذب میں رہتا ہے اور یہی تذبذب خودکشی کی کوشش کو نیم دلانہ شکل دے کر ناکام بھی بنا سکتا ہے۔ کچھ ایسے ہیں جو پکا فیصلہ کرتے ہیں اور اپنے یقین محکم کو عملی جامہ پہنانے میں دیر نہیں کرتے یا مرنے کے لیے ایسی ترکیب اختیار کرتے ہیں جس سے واپسی ممکن نہیں ہوتی۔ جیسے کہ سر پر پستول رکھ کر گولی چلانا یا جلانے والی گیس سے ہلاکت کی کوشش کرنا۔ ان دونوں صورتوں میں پہلا قدم اٹھانے کے بعد اگر ارادہ تبدیل ہو جائے تو بھی جان نہیں بچ سکتی۔

> ایک نوجوان نے بادشاہی مسجد لاہور سے چھلانگ لگائی۔ جب وہ کود پڑا تو ساتھ ہی چیخ بھی رہا تھا کہ مجھے بچاؤ۔ اس مرحلہ پر بچانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

اسی طرح جنوبی امریکہ اور فرانس میں ایک خطرناک کھیل RUSSIAN ROULETTE کے نام سے کھیلا جاتا ہے۔ سکولوں کے لڑکے اور کھلاڑی ریوالور لے کر اس کی چرخی میں صرف ایک گولی ڈالتے ہیں۔ پھر چرخی کو اچھی طرح گھما کر ریوالور بند کر کے اپنی کنپٹی پر

رکھ کر گھوڑا دباتے ہیں۔ اس میں کسی نہ کسی نے بہر حال مرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ خالی خانوں کے بعد گولی والا خانہ بھی آخر سامنے آتا ہے۔ مارسیلز کے چار حادثات میں پہلی کوشش میں ہی گولی والا خانہ سامنے آگیا گولی دماغ میں گھسی اور موت واقع ہو گئی۔

بعض احمق زندگی کو مذاق جان کر ایسے کھیل کھیلتے ہیں جن میں موت کا امکان بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔ ایسی موت کو حادثہ نہیں کہا جا سکتا۔ حماقت کرنے والے کو معلوم تھا کہ اس کے مرنے کے امکانات بچ جانے سے زیادہ ہیں۔ امریکہ میں آج کل موٹروں پر کرتب دکھانے والے نوجوانوں کا ایک گروہ تماشوں میں کمالات کے نام سے موت سے کھیلتے ہیں۔ HELL DRIVERS کہلانے والا یہ گروہ کسی نہ کسی کمال میں راہئی ملک عدم ہو جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم جب دنیا میں آئے تو اس میں ہماری مرضی شامل نہ تھی۔ البتہ مرنے کے لیے ہمیں فیصلہ کرنے کا پورا حق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کتنی عجیب بات ہے کہ لوگ اپنی زندگی کے عرصہ، عمر اور مقام موت کے بارے میں ہمیشہ الجھن کا شکار ہوتے ہیں اور ہم وہ ہیں جن کی زندگی اپنے اختیار میں ہے۔ ہم وہ خوش قسمت ہی نہیں بلکہ باکمال ہیں کہ ہم اپنے مرنے کی ترکیب۔ جگہ اور عرصہ کا تعین کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

> فرانس میں سکول کے ایک ۱۷ سالہ لڑکے کو گولی مار کر ہلاک کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ تفتیش پر معلوم ہوا کہ لڑکوں نے آپس میں موت کی لاٹری ڈالی۔ مقتول کی پرچی پر موت لکھا ہوا بر آمد ہوا تو اب دوسروں کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ موت مہیا کریں۔ چنانچہ دن اور جگہ کے تعین کے بعد شرط لگی کہ مقتول آخری وقت میں فرار ہو جائے گا۔ لیکن وہ "مرد میدان" مقررہ جگہ اور وقت پر آگیا۔ ایک ساتھی نے پہلی گولی اس کے سر میں ماری اور دوسری گرنے کے بعد پیٹ میں ماری گئی۔

یہ واقعہ قتل بھی کہا جا سکتا ہے اور اسے خودکشی بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے اس کے لاشعور میں اپنی ذات سے انتقام لینے کی کوئی خواہش موجود ہو۔ لیکن جو کچھ

ہوا وہ کھیل کھیل ہی میں ہوا۔ اس کے برعکس پولیس کا خیال تھا کہ اس نے پرائمری کے درجہ کے بعد متعدد مرحلوں پر بڑے فخر سے کہا تھا کہ وہ زندگی کے اختتامی دن کے بارے میں پوری قدرت رکھتا ہے اور وہ خود ہی فیصلہ کرے گا کہ اسے کس دن مرنا چاہئے۔ ایک فرانسیسی لڑکے نے اپنا دلچسپ مشاہدہ بیان کیا ہے۔

"سارا دن بڑا اچھا گزرا مگر شام کے وقت میرے ذہن میں ناگہاں خودکشی کا خیال آیا۔ مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی۔ گھر والے میرا خیال رکھتے اور بھرپور محبت دیتے تھے مگر اس کے باوجود مرنے اور اپنی مرضی سے مرنے کا خیال جیسے کہ دماغ میں گھر کر گیا۔ ایک کباڑی کے پاس توپ کا گولہ پڑا تھا میں وہ خرید لایا اور اسے گھر کے پیچھے کوئلہ والے تہہ خانے میں چھپا کر رکھ دیا پھر ایک روز خودکشی کا خیال پیدا ہوا اور میں نے تہہ خانے میں جا کر توپ کے گولے پر ہتھوڑے سے ضربیں لگائیں۔ آخر وہ گولہ پھٹ گیا اور کوئلے کا ڈھیر میرے اوپر آن گرا۔ کافی دیر تک میں اسے ڈھیر کے نیچے بے سدھ پڑا رہا پھر گھر والے آگئے۔ انہوں نے مجھے نکالا۔ دو ہفتے ہسپتال میں گزرے۔ میں اب سوچتا ہوں کہ وہ بیہودہ خیال میرے دماغ میں کیوں آیا؟ اور اس کے بعد میں نے اتنی احمقانہ حرکت کیوں کی؟ زندگی تو بڑی دلپسند چیز ہے اسے خواہ مخواہ ختم کرنے میں کوئی تک نہیں۔"

خودکشی کی وجوہات:

ایمائل درکھیم پہلا شخص ہے جس نے خودکشی کے مسئلہ کو علمی حیثیت دے کر ۱۸۹۷ء میں اپنی عظیم کتاب LE SUICIDE مرتب کی۔ اگرچہ اس نے مسئلے کا جائزہ عمرانی حیثیت سے لیا ہے مگر اس کے باوجود اس کے مشاہدات آج بھی سب سے جامع اور مکمل ہیں۔ اس کی دانست میں خودکشی کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ EGOISTIC میں فرد کو معاشرے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ معاشرے کو اس کی

تکلیفوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

۲۔ ALTRUISTIC میں خود یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ذمہ معاشرہ کے کچھ فرائض یا ادھار ایسے ہیں جن کی تکمیل کے لیے وہ اپنی جان اپنے ہاتھوں قربان کر دے۔ اس قسم کی خودکشی کا رواج جاپان کے شانٹو مذہب کی تعلیمات میں زیادہ ملتا ہے۔ جب کہ بعض بدھ راہب بھی اپنی حماقتوں میں مبتلا ہو کر خوشی خوشی اپنی جان لے لیتے ہیں۔

۳۔ ANOMIC لوگوں کی بدچلنی یا گناہوں سے تنگ آکر یہ لوگ دنیا کو اپنے کے ناقابل پاکر خود کو اس گناہ کے پٹارے سے نکال لیتے ہیں۔ اس گروہ میں بھی بدھ مذہب کے تارک الدنیا راہب آجاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کے خیالات میں پہلی قسم کے خیالات کی آمیزش شامل ہو کر ہلاکت کا شوق بڑھا دیتے ہیں۔ نفسیات اور دوسرے ماہرین کی اکثریت اس تقسیم کو پسند نہیں کرتی۔ لیکن بدقسمتی یہ کہ اسباب کی اس کے علاوہ یا اس سے بہتر درجہ بندی کسی اور سے ممکن بھی نہیں ہو سکی۔ آج کل کے علماء خودکشی کو سنجیدہ اور غیر سنجیدہ اقسام میں بیان کرتے ہیں۔ خطرناک کام کرنے۔ تیز کشتیاں چلانا۔ مال روڈ پر موٹر سائیکلوں کی دوڑ بلکہ مشکل مقامات سے تیز رفتاری کے ساتھ گزرنا اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنا غیر سنجیدہ کوشش ہے۔

قذافی سٹیڈیم لاہور کے باہر میدان میں ایک پیالہ نما جگہ بنی ہے۔ نو دولتیوں کے بگڑے فرزند اس بڑے پیالہ میں تیز رفتار سے موٹر سائیکل چلا کر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چوک گوالمنڈی کا ایک لڑکا جو پورے خاندان میں اکلوتا تھا اپنے تمام حریفوں کو کمالات دکھانے میں شکست دے کر تفاخر کا آخری چکر لگانے میں الٹ کر جاں بحق ہو گیا۔

اس نوجوان نے یہ عمل خود کو ہلاک کرنے کی غرض سے نہیں کیا۔ لیکن جو کچھ وہ کر رہا تھا اس میں ہلاک ہونے کے امکانات خاصے زیادہ تھے۔

لکھنؤ میں ایک نوجوان لڑکی نے اپنے اوپر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگائی گھر والوں نے دیکھ کر آگ بجھا دی۔ چند روز بیمار رہی۔ تندرست ہونے پر

کوٹھے سے چھلانگ لگا دی۔ پھر بچ گئی۔ تیسری کوشش میں پہلے نیند کی گولیاں کھائیں اور پھر گلے میں پھندا ڈال کر مر گئی۔

یہ لڑکی سنجیدگی سے خودکشی پر آمادہ تھی۔ دو مرتبہ بچ جانے کے باوجود اس کے دماغ سے خود کو ہلاک کر دینے کی خواہش میں کوئی کمی نہ آسکی۔ حالانکہ پہلی کوشش کے بعد اس کو ذہنی علاج یا مذہبی تعلیمات سے آگاہ کرنے کا عمل اسے آئندہ کوششوں سے باز رکھ سکتا تھا۔

علم نفسیات میں ایسے خیالات کی درجہ بندی کی متعدد کوششیں کی گئی ہیں۔ لیکن ہر عالم دوسرے سے مختلف ہے۔ کہیں انا کو برتری دیتے ہیں اور کوئی احساس کمتری میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو زندہ رہنے کے قابل نہیں سمجھتا۔

فرانس میں خودکشی کرنے والے ۱۹۴۸ افراد کے دماغی حالات کی ایک دلچسپ سروے کی گئی تو معلوم ہوا کہ ان کی دماغی حالت یہ تھی۔

صحیح الدماغ	۳۶۶
ضعف دماغ	۵۹۴
مرگی	۱۹۸
جنون	۷۰
شراب کے رسیا	۱۲۵
بڑھاپے کے عوارض	۱۰
دیگر ذہنی مسائل	۵۸۵

اس طرح خودکشی کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ وہ تھے جن کی دماغی حالت درست نہ تھی۔ دماغی کمزوری کی شکایت کرتے تھے یا عام زندگی میں ان کی عقل کا معیار دوسروں سے کم تھا یا منشیات کے عادی تھے۔ ان کے بعد مرگی کے مریض اپنی ذہنی بیماری کی وجہ سے خودکشی کرتے رہے اور ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو دماغی امراض کے علاوہ نفسیاتی الجھنوں کے شکار تھے۔

ایڈولف ہٹلر نے ایک معمولی رنگساز سے اتنی ترقی کی کہ وہ جرمنی کا مختار مطلق بن بیٹھا اس نے پوری دنیا کو جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا۔ اس شخص کی صلاحیت کا یہ عالم تھا کہ اس نے ایک پارٹی بنائی۔ اس کو منشور دیا۔ پھر عوام الناس کو اپنی دھواں دھار تقریروں سے سحر کر لیا۔ آس پاس کے ممالک کو فتح کیا اور جب اپنے ملک پر آ پڑی تو حالت یہ تھی کہ دن رات بمباری کا عذاب سہنے کے باوجود اس کی باتوں سے لوگ پھر بھی جیت کا خیال پرورش کر رہے تھے۔ اس کے برعکس اس کی ذہنی حالت یہ تھی کہ اس نے ۱۹۲۳ء ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۳ء میں لوگوں کو بتایا کہ اگر اس کی فلاں خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ خودکشی کر لے گا۔ اتفاق سے خواہشات پوری ہوتی رہیں مگر جب ۱۹۴۵ء میں برلن پر حملہ ہوا تو اس نے زندگی بچانے کی بجائے خودکشی کر لی۔ کیونکہ ایسی خواہشات اس کے دماغ میں مدت سے پرورش پا رہی تھیں۔ ایک طرف تو وہ دوسروں کو متاثر کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا تھا اور دوسری طرف اتنا مغلوب الغضب تھا کہ تقریر کرنے کے دوران اپنی کئی عینکیں توڑ دیتا تھا۔ اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لیے جرمن فوج کو ماسکو کی برف باری میں پھنسا دیا۔ حالانکہ اس کے جرنیل برف باری کے دوران ماسکو اور سٹالین گراڈ سے دفاعی پسپائی کا مشورہ دیتے رہے۔ اس کی ضد سے ۹۵ ہزار آزمودہ کار جرمن سپاہی ہلاک ہو گئے اور جرمنی کی جنگی صلاحیت تباہ ہو گئی۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خود کو ہلاک کرنے میں پوری طرح سنجیدہ ہوتے ہیں۔ لیکن جب تکلیف ہوتی ہے یا موت سامنے کھڑی نظر آتی ہے تو جوش و خروش ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ پھر اپنے کو بچانے کی فکر پیدا ہوتی ہے۔ سنجیدہ ارادہ غیر سنجیدہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

آگرہ کی ایک عورت اپنی ۴ سالہ بچی کے ہمراہ مرنے کے لیے کنوئیں میں کود گئی۔ لوگوں نے ان کو جلد ہی نکال لیا۔ مگر لڑکی مر گئی۔ اس پر بچی کے قتل اور اقدام خودکشی کا مقدمہ چلا۔ اس نے عجیب موقف اختیار کیا کہ بچی کھیلتے کھیلتے منڈیر پر چڑھ گئی اور کنوئیں میں گرنے لگی تھی۔ وہ بھاگ کر بچی کو بچانے کے لیے منڈیر پر چڑھی جہاں اس کا پاؤں پھسلا اور وہ

بچی سمیت کنوئیں میں گرگئی ۔عدالت نے اس کہانی پر اس لیے یقین کرنے سے انکار کر دیا کہ منڈیر اتنی اونچی تھی کہ ۳ سال کی بچی از خود اس پر نہیں چڑھ سکتی اور ماں کو بچی کے قتل کے جرم میں سزائے موت ہوگئی ۔

اس میں دیکھیے کہ ابتدا میں اسے مرنے کا شوق تھا اور کنوئیں میں کود گئی جب وہاں سے زندہ بچ گئی اور بچی کی ہلاکت کی ذمہ داری پر سزائے موت سے بچنے کے لیے کتنے عذر تراشے ۔مقدمہ اور اپیل پر معقول رقم صرف کی ۔مقدمہ کے دوران اس کا طرزِ عمل ایک عام مجرم کا تھا جو تحفظ ذات کے لیے ہر کوشش کرتا ہے ۔

پاکستان میں خودکشی کی صورت حال :

پاکستان میں رہنے والوں کی ایک غالب اکثریت مسلمان ہے ۔اگرچہ ان میں سے اکثر کو اسلامی تعلیمات پر عبور حاصل نہیں ۔مگر اس کے باوجود لوگ اسلام پر دل سے یقین رکھتے ہیں ۔اس لیے یہاں پر چند بھٹکے ہوئے یا ذہنی مریضوں کے لوگ خودکشی نہیں کرتے ۔لاہور میں مشتبہ حالات میں مرنے والے ہر شخص کی لاش میڈیکل کالج کے شعبہ طب الشرعی میں لائی جاتی ہے ۔جہاں پر اس کا پوسٹ مارٹم کر کے وجۂ موت متعین کی جاتی ہے ۔اس شعبہ کے سربراہ پروفیسر نصیب اعوان نے بڑی مہربانی کرتے ہوئے یہاں پر خودکشی کرنے والوں کی تعداد اور ذرائع کا ایک تجزیہ عطا کیا ہے ۔

باعث موت	سال ۱۹۸۷ء	سال ۱۹۸۸ء	سال ۱۹۸۹ء
آتشیں اسلحہ	۸	۷	۲
تیز دھار آلات	۲	۱	۳
گلا گھونٹنا اور پھانسی	۱۹	۱۷	۱۵
زہر اور زہریلی ادویہ	–	۱	۴
بجلی کے جھٹکے	۴	–	۲
آگ لگا کر یا اس سے جل کر	۱	۴	۳
ڈوب کر مرے	–	۱	–
ریل سے کود کر یا پٹری پر لیٹ کر	–	–	۲
کل تعداد	۳۱	۳۱	۳۱

لاہور کی چالیس لاکھ آبادی میں ایک سال میں ۳۱ سے ۴۲ افراد نے تین سال کے مشاہدوں کے درمیان خودکشی کی۔ اگرچہ اس میں وہ افراد شامل نہیں جنہوں نے خودکشی کرنے کی کوشش کی مگر وہ بچ گئے یا جن کے لواحقین خودکشی کو حادثہ کی شکل دینے میں کامیاب رہے۔ لیکن ایسا تو دنیا کے ہر ملک میں ہوتا ہے۔ اعداد و شمار یقینی اور مصدقہ واقعات سے مرتب پاتے ہیں۔

پروفیسر اعوان کے مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ پھانسی لینا یا رسی سے گلا گھونٹ کر لٹک جانا۔ زہر کھانا اور گولی مار نا بیاں پر خود کو ہلاک کرنے کے مقبول طریقے ہیں۔

بھارت اور پاکستان میں خودکشی کے انسداد کے قوانین :

ان دونوں ممالک میں فوجداری مقدمات میں سزا کی بنیادی کتاب انگریزوں کی تعزیرات ہند ہے۔ جس کی دفعہ ۳۰۵ میں بتایا گیا ہے۔

اگر ۱۸ سال سے کم عمر کا کوئی شخص یا کوئی مجہول یا پاگل یا احمق یا نشہ میں ڈوبا ہوا خودکشی کی کوشش کرے اور کوئی شخص اس کو اس فعل کی انجام دہی میں کسی قسم کی کوئی امداد کرے تو اس شخص کو موت کی سزا دی جا سکتی ہے یا عمر قید یا دس سال قید اور جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

اسی کتاب کی دفعہ ۳۰۶ میں مقرر ہے کہ۔

اگر کوئی شخص خودکشی کر رہا ہو اور اس کے اس عمل کی انجام دہی میں جو شخص کسی قسم کی کوئی بھی امداد دے گا۔ اسے دس سال قید اور جرمانہ کی سزا دی جا سکتی ہے۔

خودکشی کرنے والوں کی سزا دفعہ ۳۰۸ میں یوں مقرر ہے۔

ہر وہ شخص جو خودکشی کرنے کی کوشش کرتا ہے یا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی فعل سرانجام دیتا ہے اسے ایک سال تک کی قید محض یا جرمانہ

یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

ان قوانین میں بھی عجیب دوعملی ہے۔ دفعہ ۳۰۵ کے تحت نابالغ یا ماؤف العقل افراد کو خودکشی میں امداد دینے مثلاً پھانسی کے لیے رسہ مہیا کرتے یا بازار سے زہر لاکر دینے وغیرہ قسم کے تعاون کرنے والے کو سزائے موت سے ۱۰ سال قید تک ہوسکتے ہیں۔ بالغ کی خودکشی میں تعاون کرنے والا دس سال قید پاسکتا ہے۔ جب کہ خود کو ہلاک کرنے والا اگر بچ جاتے تو اسے صرف ایک سال قید۔

یورپ میں ۱۷۹۱ء سے مختلف ممالک میں خودکشی کرنے یا اس میں امداد دینے والوں کے لیے مختلف سزائیں مقرر ہوئی تھیں۔ برطانیہ میں ۱۹۶۱ء کے قوانین کے تحت اگرچہ خودکشی کو ناپسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے۔ لیکن کرنے والوں یا اس فعل میں امداد دینے والوں کو عبرتناک سزائیں دینے کی پالیسی نہیں رہی۔ بعض ممالک میں اب نئی سوچ جنم لے رہی ہے کہ اگر کوئی اپنی زندگی سے تنگ آگیا ہے اور وہ مرنا چاہتا ہے تو اس کی اپنی مرضی۔ ہم اس میں دخل دینے والے کون ہوتے ہیں؟

خودکشی کے محرکات :

عام حالات میں جب کوئی آدمی اپنی زندگی کا خاتمہ کرتا ہے تو یہ غم، افسوس اور مایوسی کا ردعمل ہوتا ہے۔ اس عمل میں اسے مذہبی رجحانات سے حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ کیونکہ اکثر مذاہب میں مرنے کے بعد خوشگوار زندگی کا مژدہ ملتا ہے۔ ہندو مذہب میں اواگون کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد اس نے دنیا میں دوبارہ آنا ہی نہیں بلکہ ہمیشہ آتے رہنا ہے۔ اس لیے کسی ایک ناخوشگوار جیون کو اگر وہ ختم کرلے تو اس میں کوئی نقصان نہیں خود کو ہلاک کرنے میں بعض اوقات جنونی وابستگیاں بھی عمل پیرا ہوتی ہیں۔ محبوبہ کے مرنے کے بعد خود مر کر اس کے پاس جانے کی خواہش یا دو محبت کرنے والوں کی مشترکہ خودکشی اس قسم کے احمقانہ خیالات کا نتیجہ ہوتا ہے۔

خودکشی کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اذیت دے کر دوسروں

کو سزا دی ہے۔ مثلاً والد سے جھگڑنے کے بعد اپنے آپ کو ختم کرنے کی کوشش کا مطلب اس کا پختہ ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ وہ باپ کی ایک قیمتی چیز تھا۔ اپنی موت سے اس نے باپ کو صدمہ پہنچا کر سخت گیری کا بدلہ لیا ہے۔ بعض ماہرین نفسیات کا خیال یہ ہے کہ اپنے کو ختم کرنے والے صرف خاندان سے نہیں بلکہ پورے معاشرہ سے بدلہ لینے کا مقصد رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو سزا دینے کا ارادہ رکھتے ہیں یا جدا ہو کر دوسروں کا صدمہ دینے کی بیوقوفی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کے ان ابتدائی اسباب کا شروع ہی میں تدارک کر دیا۔ انہوں نے واضح کر دیا کہ دنیا کی اس مختصر سی زندگی کے بعد دوسرا جہان شروع ہو جاتا ہے جہاں کی زندگی پہلی زندگی کے اعمال کے حساب سے ہوگی۔ اچھے کام کرنے والوں کو اچھے حالات میسر ہوں گے جب کہ برائی کرنے والے کیے کی سزا بھگتیں گے۔ حالات خواہ کچھ بھی ہوں دنیا میں واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ مرنے کے بعد کسی کی روح بھوت، چڑیل، چھلاوہ یا جن وغیرہ قسم کی کوئی دہشتناک چیز بن کر پھر دنیا میں واپس نہیں آتے گی۔ عذاب قبر میں بھی ہوگا۔ جس کا یہ خیال ہو کہ وہ خود کو ہلاک کرنے کے بعد پھر سے واپس آ جائے گا یا دوسروں کو تنگ کرنے کا موقع اسے میسر رہے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔

فرانسیسی داستان گو چڑیلیں تیار کرنے والی ایک ترکیب کو عرصہ دراز سے مشہور کیے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کاونٹ ڈریکولا قبروں سے نوجوان لڑکیوں کی لاش نکال کر ان کو پھر سے زندہ کر کے چڑیل بنا لیتا تھا۔ یہ عورتیں جب تک انسانوں کا خون پیتی رہتی تھیں۔ دوبارہ سے زندہ رہتی تھیں۔ ان خون آشام چڑیلوں کو VAMPIRES کہتے تھے۔ یہ ساری بات ایک مفروضہ ہے۔ انسانیت کی پوری تاریخ میں نہ کسی نے کبھی کسی مردے کو قبر سے نکال کر کسی بھی صورت میں زندہ کیا اور نہ ہی کوئی چڑیل تیار ہو سکتی ہے۔ روحوں کے واپس آنے کا کوئی امکان نہیں اور نہ ہی وہ کسی بھی شکل میں دنیا میں لوٹ کر دوسروں کو تنگ کر سکتی ہیں۔ ماں باپ کو سزا دینے کا تصور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم ہے۔

اگر تمہارے ماں باپ تمہیں تنگ بھی کریں تو تم پر لازم ہے کہ ان کو اف بھی نہ کہو تنگ آکر ان کو جھڑکنا منع ہے۔ ان سے جب بھی بات کرو تو ادب اخلاق اور ان کے احترام کو ہر حال میں ملحوظ رکھو۔

کسی مسلمان بچے یا بچی کو یہ قطعاً زیب نہیں دیتا کہ وہ ماں باپ کے ساتھ بدتمیزی کرے یا ان کو صدمہ پہنچانے کا کسی قسم کا کوئی منصوبہ تیار کرے۔

خودکشی کرنے والا یہ سوچتا ہے کہ اس کی موت سے اس کے لواحقین کو جو صدمہ ہوگا وہی اس کی تکلیف کا پھل ہے۔ عزیز واقارب میں سے اکثر یہ سوچتے ہیں کہ ہم اگر اس کی بات مان لیتے تو یہ افسوسناک حادثہ نہ ہوتا یا ہم اسے مرنے سے روک سکتے تھے۔ دوسری طرف اگر وہ بچ جائے تو اسے توقع ہوتی ہے کہ خاندان میں اسے اہمیت حاصل ہوئی۔ لوگ آئندہ سے اس کی ناز برداری کیا کریں گے تاکہ وہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرے ایسے واقعات کی کوئی کمی نہیں جہاں نوجوانوں نے دوسروں کو پریشان کرنے کے لیے ایسی چیزیں کھائیں جن سے مرنے کا کوئی اندیشہ نہ تھا رنگ دار تے۔ ٹھنڈے پسینے اور دل کی تیز دھڑکن دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ بچے نے کوئی زہریلی چیز کھائی ہے۔ اگرچہ یہ اثرات عارضی ہوتے ہیں۔ لیکن عزیزوں کو بلیک میل کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں بیشتر مطالبات اتنے میں ہی منظور ہو جاتے ہیں۔ اکثر اوقات اس ڈرامہ کے پیچھے تعلیم سے بھاگنا یا من پسند جگہ شادی کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یعنی خودکشی بطور دھمکی استعمال کی جاتی ہے۔

سگمنڈ فرائیڈ انسانی جبلتوں میں تحفظ ذات کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے ایک طرف انسان بنیادی طور پر اپنی ذات کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے اور دوسری طرف وہ اپنی ذات کو تلف کر کے ہلاک ہونا چاہتا ہے۔ اس دوعملی کو وہ یوں سلجھاتا ہے کہ خودکشی کرنے والا بلاشبہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے مگر جب وہ اسے تلف کرتا ہے تو وہ اپنی ذات کو کسی اور کے ساتھ گڈمڈ کر لیتا ہے۔

مثال کے طور پر وہ خود کو اپنے جابر باپ کے ساتھ گڈمڈ کر لیتا ہے۔ وہ اس حماقت میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کا جسم اس کے باپ کا ہے۔ اگر وہ خود کو تکلیف دے گا تو تکلیف باپ کو ہوگی۔ اس طرح وہ باپ کو اذیت دینے کے لیے خودکشی کرتا ہے۔

تحلیل نفسی کے طریقوں نے خودکشی کے اسباب میں قابل قدر معلومات مہیا کی ہیں۔ اس ترکیب سے مریض کے لاشعور میں جھانکنے کی صورت نکلتی ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی شخص خودکشی کر رہا ہے یا کرنا چاہتا ہے تو اس کے ذہن میں ایسی کونسی مشکلات تھیں جو اسے اپنی ذات کو فنا کرنے پر آمادہ کر رہی تھیں۔ تحلیل نفسی کے ذریعہ بعض اوقات ایسے اشخاص کا پتہ بھی چلایا جا سکتا ہے جنہوں نے خودکشی تو نہیں کی لیکن ان سے ایسا کرنے کی توقعات کی جا سکتی ہیں۔ جس کا آسان مظاہرہ یہ ہے کہ وہ بیمار ہونے پر باقاعدگی سے دوائی نہ کھائے یا علاج کے لیے ایسے اشخاص کے پاس جائے جن کو اس بیماری یا مسئلہ کے حل کرنے کی پوری صلاحیت حاصل نہیں۔ اس سلسلہ کے ماہرین خودکشی کو دماغ کے اندر خیالات کے الجھاؤ کا باعث قرار دیتے ہیں۔

ایڈلر اور اس کے ہمنوا خودکشی کو دوسروں کو متاثر کرنے اور اپنی ذات کی الجھنوں کا اظہار قرار دیتے ہیں۔ ان کی دانست میں جب ایک شخص معاشرہ سے کٹ کر علیحدہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو عضو معطل جان کر یا بے فائدہ قرار دے کر خودکشی کر لیتا ہے۔ دوسروں کے خلاف جارحانہ عزائم اور تحفظ ذات کی جبلتیں خودکشی کے عمل میں ٹکراتی ہیں اور کشمکش کی یہ کیفیت کبھی تو نیم دلی سے ہلاکت کی کوشش اور کبھی بھرپور اور کامیاب کوشش پر ختم ہوتی ہیں۔ حقیقت میں خودکشی کرنے والے بہت کم افراد مرنے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں بلکہ ان کے دماغ میں بھی ایک کشمکش جاری ہوتی ہے۔ ایک جذبہ زندہ رہنے کی خواہش کا ہے اور دوسرا خود کو ختم کر کے معاشرے یا عزیزوں کو اذیت میں مبتلا کرنے کا ہوتا ہے لاشعوری طور پر وہ ان دونوں کی تسکین چاہتا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ زندہ بھی رہے اور اس سے پیار کرنے والوں کو اس کی موت کا صدمہ بھی ہو۔ اس کشمکش کے دوران جس طرف زور زیادہ پڑے وہی طرف جیت جاتی ہے۔

ایڈلر کا گروہ جنگ کے دنوں میں خودکشی کے واقعات میں کمی کا سبب جارحیت کی قوتوں کا دشمن کی جانب منعکس ہو جاتا ہے۔ فرد کے اندر چھپی ہوئی جارحیت اپنے ملک پر حملہ کرنے والوں کے خلاف منتقل ہو جاتی ہے۔ جنگ کے دنوں میں لوگوں کے درمیان تعلقات اور یگانگت بڑھ جاتی ہے اور ہر شخص دوسرے کی مدد کرتا ہے کیونکہ مصیبت سب کے لیے مشترک ہوتی ہے۔ لوگ اگر اس کا مل جل کر مقابلہ کریں تو تکلیف میں کمی آجاتی ہے۔

مشاہدات سے معلوم ہوا ہے کہ خودکشی کرنے والوں میں سے ۳۲ فیصدی ایسے تھے جن کو دماغی امراض لاحق تھے۔ ماں باپ کے درمیان جدائی کے بعد پلنے والے بچوں میں بڑے ہو کر خودکشی کے رجحان میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ وہ بچے ہوتے ہیں جن کا کوئی سرپرست نہ تھا اور ان کی جسمانی اور ذہنی تکمیل کسی اچھے اور ہمدرد مشیر کے بغیر مکمل ہوئی۔ ان کو اس لحاظ سے یتیم کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ نہ کوئی ان کا کفیل تھا اور نہ کوئی سرپرست۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں فرمایا۔

قیامت کے دن یتیم کی پرورش کرنے والا میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے جنت میں داخل ہوگا۔

یتیم کی پرورش۔ دستگیری اور تربیت کے معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور تاکیدوں کی تعداد سینکڑوں پر مشتمل ہے۔ انہوں نے ایسے بچوں کو شفقت دینے کی اہمیت کی مثال اس طرح دی ہے کہ۔

جس نے یتیم کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا، اس کے ہاتھوں کے نیچے سے جتنے بال گزریں گے اس کو اتنی ہی نیکیاں ملیں گی۔

خودکشی کرنے والوں کی اکثریت مایوسی۔ بیزاری اور تنہائی کے ماروں کی ہوتی ہے ان کی دماغی علامات DEPRESSION اور مجرمانہ ذہنیت کے شکاروں میں خودکشی کرنے کی خواہش دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ ذہنی مسائل کا حل عام طور پر تحلیل نفسی یا نفسیاتی علاج سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن متمدن ممالک میں خودکشی کے اسباب پر تحقیقات کرنے والوں کو یہ

بات عجیب نظر آتی کہ مرنے والوں کی اکثریت کو اپنے مذموم عزائم کا احساس تھا اور انہوں نے کسی نہ کسی مرحلہ پر کسی ماہر نفسیات سے رجوع کیا۔ اس کے زیر علاج رہے اور اس کے باوجود اپنی ذات کے خلاف جارحیت کی اننیج برقرار رہی اور وہ خودکشی کر گئے۔

ماہرین عمرانیات کے نظریات اگرچہ جدا ہیں لیکن ماہرین کا ایک طبقہ نفسیات اور عمرانیات کو ملا کر مایوسی کو خودکشی کا بڑا سبب قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ جارحیت کی جبلت مایوسی کا ردعمل ہے۔ مثلاً کاروباری نقصانات سے فرد کی معاشی اہمیت کو دھچکا لگتا ہے اور وہ اپنی ذات کے خلاف جارحیت محسوس کر کے مایوسی کا شکار ہوتا ہے۔ اسی طرح ناکامیاں جو کہ امتحان سے لے کر ملازمت کے حصول اور جنسی زندگی سے متعلق ہوں جارحیت کے جذبہ کو تحریک دے کر مایوسی پیدا کرتی ہیں اور یہ جب اپنی ذات کی جانب مرتکز ہوتی ہے تو خودکشی بن جاتی ہے۔

انسانی زندگی میں مستقبل کی توقعات یا امید ایک اہم حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک بچہ ۱۸ سال کی طویل جدوجہد کے بعد سال میں چار چار امتحانوں کی دہشت سے نکل کر جب سند حاصل کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ نوکری اس کی منتظر نہیں بلکہ ذریعہ معاش حاصل کرنا ایک الگ مصیبت ہے۔ جس میں رشوت اور سفارش کے ساتھ فراڈ اور خوش قسمتی کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔ کسی غریب آدمی کا محنتی بچہ مسلسل خواری کے بعد جب دیکھتا ہے کہ رشوت دینے کو سرمایہ اس کے پاس نہیں۔ اس کے خاندان کے سب افراد غریب اور کم حیثیت ہیں اور سفارش کے لیے جس صلاحیت کی ضرورت ہے وہ اس کے پاس نہیں تو امید ٹوٹ جاتی ہے اور اس کے لیے اپنی زندگی کو بے کار۔ بے مصرف اور فضول سمجھنے کے لیے معقول اسباب بن جاتے ہیں۔ ایسے مایوس اگر دماغی حالات سے سہارا پائیں تو خودکشی کرنے میں مشکل محسوس نہیں کرتے۔ امید کا ٹوٹ جانا بھی مایوسی کی ایک شکل ہے۔

اکثر لوگ زندگی میں دلچسپی محسوس نہیں کرتے۔ ممکن ہے کہ حالا[illegible] جب سے انہیں

گوشہ نشینی اختیار کرنی پڑے۔ لیکن وہ زندگی سے اتنے بیزار ہوتے ہیں کہ انہیں ہر چیز مصنوعی لگنے لگتی ہے اور وہ زندگی کو زند ؛ ، کے نا قابل پاکر خود کو ہلاک کرنے کی سوچنے لگتے ہیں۔ شرمندگی۔ مایوسی۔ گوشہ نشینی۔ تنہائی اور اداسی امید ٹوٹ جانے کے بعد خودکشی کا سب سے بڑا محرک بنتے ہیں۔

قرآن مجید نے ان تمام صورتوں کا ایک بڑا آسان حل تجویز کیا ہے۔

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (الطلاق ؛ ۳)

(جو خدا پر بھروسہ کر لیتا ہے وہ اس کی ضرور دستگیری کرتا ہے۔)

ایک مسلمان جب کسی کام کو اللہ کے نام سے شروع کرتا ہے تو اسے یقین ہوتا ہے کہ اس میں اس پاک نام کی برکت ضرور شامل ہوگی۔ مایوسی اس کے مذاہب میں حرام ہے وہ جب اور جہاں چاہے اپنے خدا کو مدد کے لیے پکار سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن نے اس کو مطلع کیا ہے کہ۔

تمہارا خدا تمہاری شاہ رگ سے بھی قریب ہے۔

جب خدا اتنا قریب ہے۔ وہ پکارنے والے کی سنتا ہے۔ وہ مایوسی کو ناپسند کرتا ہے۔ وہ اپنے پر بھروسہ کرتے والوں کو مایوس نہیں کرتا۔ وہ اپنے پر یقین رکھنے والوں کو کسی بھی مصیبت سے نکال لینے پر پوری دسترس رکھتا ہے اور اسی کی عبادت کرتا ہے تو پھر اسے کسی بھی سلسلہ میں خودکشی کرنے کی ضرورت ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔

کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ فرد کو اگر بار بار تنگ کیا جائے تو وہ جھنجھلا کر بھی خودکشی کر سکتا ہے۔ ایک صاحب نے چوہوں پر ایسے تجربات تفصیل سے کیے اور اپنے مشاہدات کو ایک دلچسپ کتاب CAN A MOUSE COMITT SUICIDE کی صورت میں شائع کیا ہے۔ اس کا مشاہدہ ہے کہ جانور کو بھی جب موت کا راستہ سمجھ آ جائے تو وہ بار بار کی اذیت سے تنگ آ کر موت والے راستے پر چل نکلتا ہے۔ ایک مشہور کہاوت ہے کہ ہاتھی کو جب کبھی بخار چڑھ جائے تو وہ اس تپش کو برداشت نہیں کرتا کسی اونچے پہاڑ پر چڑھ کر خود کو نیچے گرا کر ہلاک کر لیتا ہے۔

خودکشی کو روکنے کے مغربی طریقے:

نیویارک کے پادری وارن نے ملک میں خودکشی کی بڑھتی ہوئی وارداتوں سے تنگ آکر ۱۸۸۵ء میں اس کے تدارک کا فیصلہ کیا۔ اس نے ۱۹۰۶ء میں NATIONAL SAVE A LIFE LEAGUE کی بنیاد ڈالی۔ اس کا بیٹا اور بھتیجا بھی اس کی امداد کر رہے تھے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اگر کوئی شخص حالات سے مایوس ہو کر خودکشی کرنا چاہتا ہو تو وہ ایسا کرنے سے پہلے ان سے رابطہ کرے۔ چونکہ یہ تینوں پادری تھے اور ان کی گفتگو میں ہمیشہ وعظ کا رنگ ہوتا تھا۔ اس لیے نہ تو ان کی جماعت زیادہ کامیاب ہو سکی اور نہ ہی لوگوں نے ان کی گفتگو سے فائدہ اٹھایا۔ لوگ اس کوشش کو بھول چکے تھے کہ ۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو لندن کے تمام روزناموں میں ایک اشتہار شائع ہوا۔

خودکشی کرنے سے پہلے فون نمبر ۹۰۰۰ پر ضرور بات کرلیں۔

یہ اعلان لندن کے سینٹ اسٹیفن چرچ کے پادری چاڈ وارہ نے شائع کروایا۔ چند ہی دنوں میں ان کی شہرت پھیل گئی اور یہ اپنی ذات میں ایک انجمن بن گئے۔ کارِ خیر میں دلچسپی رکھنے والے سینکڑوں افراد ان کے لیے رضا کار بن گئے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ برطانیہ عظمیٰ میں ۲۰۰۰ رضا کار ہیں۔ جب کہ آسٹریلیا۔ امریکہ۔ کینیڈا۔ ملائشیا۔ ہانگ کانگ۔ ہندوستان اور پاکستان میں بھی ان کی شاخیں کھل گئی ہیں۔ (پاکستان میں ان کی کسی فعال شاخ کے بارے میں کبھی سنا نہیں گیا اور نہ ہی کسی اخبار میں ان کا اشتہار کبھی دیکھا گیا۔

پادری وارہ کا خیال تھا کہ وہ لوگ جو خودکشی کرنا چاہتے ہیں عام طور پر تنہائی کے مارے۔ مایوس، شرمیلے، اور پریشان ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے عزیزوں (اگر رہ ہوں) تو بات کرتے ہیں حجاب آتا ہے۔ وہ کسی ایسے فرد کی تلاش میں ہوتے ہیں جو ان کی بات تسلی سے سن لے۔ پھر ان کو تسلی دے اور ان کی بات پوشیدہ رہے۔ اس لیے انہوں نے رضا کاروں کے انتخاب کو بھی اچھا خاصا مسئلہ بنا دیا ہے۔ کبھی ان کے انٹرویو

ہو رہے ہیں اور اگر کسی نے کہا کہ میں مشکل کو سنبھال لوں گا تو اسے مسترد کر دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ ہر سو رضا کاروں میں سے اسی مسترد کر دیے جاتے ہیں۔ ان کو گمان ہے کہ جب کوئی پریشان حال ان کو فون کرتا ہے تو وہ ایک ایسے گمنام سے بات کرتا ہے جو اس کو جانتا ہے اور نہ وہ اسے۔ اس طرح مسائل مطمئن ہوتا ہے کہ اس کی بات کہیں آگے نہ جائیگی فون سننے والے رضا کاروں کی معاونت کے لیے پادری۔ ڈاکٹر، ماہرین نفسیات اور ازدواجی مسائل کے ماہرین کا ایک بورڈ ہوتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر وہ خود ان سے مشورہ کر لیتے ہیں یا مسائل اگر براہ راست ملنا چاہیے تو ایسا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔

ان کی کارکردگی کے بارے میں بیشلر کے تجزیہ کے مطابق ۱۹۷۰ء میں پیرس کے دفتر میں ۳۸۰۰۰ فون آئے جن میں سے ۶۰ فیصدی مسائل خودکشی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ ۱۱۵ افراد ایسے تھے جو ذہنی طور پر خود کو ختم کرنے کے عمل میں مصروف ہونے کو تھے۔

فون کرنے والوں کی دلچسپی کا تجزیہ یوں کیا گیا ہے۔

۱۶۰۶ فیصدی محض معلومات چاہتے تھے۔

۳۶۰۹ فیصدی کو شدید ذہنی مسائل کا سامنا تھا۔

۱۶۰۶ فیصدی کے مسائل ایسے الجھے تھے کہ ان سے خودکشی کا اندیشہ تھا۔

باقی فون محض وقت ضائع کرنے کے لیے تھے۔

برطانیہ میں تحقیق کرنے والے ایک ماہر کا خیال ہے کہ وہاں کے ان ۱۵ شہروں میں جہاں یہ ادارے کام کر رہے ہیں۔ خودکشی کی شرح میں ۵۰۸ فیصدی کمی واقع ہوئی جب کہ ان کے مقابلے میں ان ۱۵ شہروں میں جن میں یہ ادارے نہیں تھے۔ خودکشی کی شرح میں ۱۹۰۸ فیصدی اضافہ ہوا۔ اس باب میں اعداد و شمار شائع کیے گئے ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

سال	۱۹۶۴	۱۹۶۵	۱۹۶۶	۱۹۶۷	۱۹۶۸	۱۹۶۹	۱۹۷۰
آبادی ملین کے حساب سے	۴۷.۴۵	۴۷.۷۶	۴۸.۵۸	۴۸.۳۹	۴۸.۶۷	۴۸.۸۳	۴۸.۹۴
خودکشی کے واقعات	۵۵۶۰	۵۱۶۱	۴۹۹۴	۴۷۱۱	۴۵۸۴	۴۳۷۵	۳۹۳۹
شرح خودکشی فی ایک لاکھ نفوس	۱۱.۷	۱۰.۸	۱۰.۴	۹.۷	۹.۴	۸.۹	۸.۰
سماجی خدمت کے اداروں کی تعداد	۵۶	۶۸	۷۵	۸۶	۹۲	۹۵	۱۱۵
رابطہ کرنے والے نئے افراد کی تعداد	۱۲,۳۳۵	۱۶۴۲۲	۲۰۸۷۵	۳۱۷۸۰	۴۲۲۴۱	۵۱۴۱۲	۶۸۵۳۱
گفتگو سننے والے رضاکاروں کی تعداد	×	۶۵۳۷	۷۱۱۶	۷۶۶۸	۱۱۲۰۹	۸۹۱۰	۱۲۸۳۲

اس موازنہ سے کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ خودکشی کی شرح میں کمی اس سماجی ادارے کے وجود یا اس کی محنت سے ہوتی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ موازنہ جن شہروں کے بارے میں ہے وہ انگلستان کے صنعتی مراکز ہیں جن میں مسلمانوں اور خاص طور پر پاکستانیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا ہے۔ کیونکہ اپنے مذہب پر عمل کرنے والے کسی مسلمان کو خودکشی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس لیے مرنے والوں کی شرح میں کمی واقع ہوگئی۔ ان شہروں میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے مسلمانوں میں اپنے مذہب سے وابستگی بڑھتی رہی۔ انہوں نے مذہبی تعلیم کے اداروں کے ساتھ ساتھ وہاں پر مساجد بھی تعمیر کیں دوسرے ممالک کے مسلمان عالم وہاں اکثر جاتے رہتے ہیں۔ خودکشی کرنے والے عام طور پر معاشرے سے کٹے ہوتے اور تنہائیوں کے مارے ہوتے ہیں۔ جب کہ کسی عملی مسلمان کے لیے تنہا رہ جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ اس کا مذہب اسے دن میں پانچ مرتبہ گردونواح کے دیگر مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی ہدایت کرتا ہے۔ پھر ہر ساتویں دن جمعہ کو دور دراز کے لوگ بھی آ جاتے ہیں۔ عید پر پورا شہر جمع ہو جاتا ہے۔ جو لوگ روزانہ ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں ان میں واقفیت اور بے تکلفی کا پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہے چونکہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے اچھی بات کہے۔ اس کی تکلیف میں ساتھ دے۔ بیمار ہو تو عیادت کے لیے جاتے۔ بھوکا ہو تو کھانا کھلاتے بلکہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں جس کے کسی ایک عضو میں درد ہو تو پورا جسم متاثر ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام پر عمل کرنے والے اور ایمان رکھنے والے کو خودکشی کی ضرورت نہیں پڑتی۔

عالمی ادارہ صحت کا خیال ہے کہ معاشی ترقی اور تعلیم کے عام ہونے سے لوگوں میں خودکشی کے رجحان میں تدریجی کمی آ جائے گی۔ اس لیے پادری چاڈ وارہ یا اس کی انجمن اثر کچھ بھی نہ کرے تو خودکشی کی شرح روز بروز کم ہوتی رہے گی۔ اس سلسلے میں پنجاب کے ایک سول سرجن نے بڑا دلچسپ تجربہ کیا۔

ان کے میاں اولاد نہ تھی۔ خاوند بیوی میں روز جھگڑا رہتا تھا۔ ایک روز بیوی نے روز کے جھگڑوں سے تنگ آ کر خودکشی کی دھمکی دے دی۔ ڈاکٹر صاحب

یوں تو چپ رہے مگر اپنے عملہ کو ہدایت کر دی کہ خودکشی سے مرنے والی کسی عورت کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے آئے تو ان کو مطلع کیے بغیر کام شروع نہ کیا جائے۔

چند دن بعد ایک لاش آگئی۔ گھر پر فون ملا تو بیوی کو کسی اور جگہ جانے کا کہہ کر ساتھ لیا اور آپریشن تھیٹر میں آگئے۔ جہاں ان کا عملہ مرنے والی کی لاش کی چیر پھاڑ کرتے کو تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر انہوں نے اس کا پیٹ پھاڑا۔ دوسرے آدمی نے آری سے کھوپڑی کو کاٹنا شروع کر دیا۔ انہوں نے دو ایک سوال کیے۔ کچھ ہدایات کے بعد بیوی کو لے کر واپس آ گئے۔ بیوی پر اس دہشت ناک منظر کا کچھ اثر تھا مگر انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔

کچھ دن گزرے تو بڑے اچھے موڈ میں بیگم سے پوچھا کہ اس خودکشی والے پروگرام کا کیا ہوا؟ وہ چونکی تو انہوں نے کہا کہ "بھئی تم نے یہ تو دیکھ ہی لیا کہ خودکشی کرنے والی عورتیں لباس کے بغیر کس طرح میز پر پڑی ہوتی ہیں اور عملہ کس بری طرح ان کے جسموں کو کاٹتا ہے۔ اب اگر تم چاہتی ہو کہ تم بھی کسی دن اسی طرح میز پر برہنہ پڑی ہو اور دفتر کا عملہ تمہارے اعضا کو کاٹ کاٹ کر نکال رہا ہو تو بسم اللہ! کسی روز بھی آجاؤ۔"

پوسٹ مارٹم اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا منظر ان کے لیے عبرت ناک بن گیا۔ معلوم نہیں کہ ان کی دھمکی سنجیدہ تھی یا غیر سنجیدہ مگر وہ اس بات کا تذکرہ کرنے سے بھی گھبراتی تھیں۔ کیونکہ ایک شریف گھر کی۔ با پردہ، صوم و صلوٰۃ کی پابند خاتون کے لیے یہ تصور ہی ہولناک ہے کہ وہ ایک میز پر پڑی ہوں اور پرائے مرد ان کے جسم کی کاٹ چھانٹ کر رہے ہوں۔

ترکیب بڑی مفید معلوم ہوتی ہے۔ لیکن پوسٹ مارٹم کا ہولناک منظر اگر ٹیلی ویژن پر دکھایا جائے تو اکثر لوگ ذہنی صدمات کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے پروفیسر نصیب اعوان اس کی کوئی آسان صورت نکال کر غیر یقینی ذہن والوں کے لیے عبرت کا کوئی سامان کر لیں۔

اسلام اور خودکشی کے مسئلہ کا حل :

خودکشی کے موضوع کے طویل جائزہ کے دوران ہم نے اس کے اسباب۔ اعداد وشمار اور ان تمام سرگرمیوں کا بھی تذکرہ کیا جو دنیا کے مختلف ممالک میں اس کو ختم کرنے کے لیے کی جا رہی ہیں۔ ان سرگرمیوں کے بعد عالمی ادارہ صحت کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری چاؤ وارا ہ کی سرگرمیاں اور دوسرے مراکز بہبود اس میں کوئی کمی نہیں لا سکے۔ جب کوئی شخص خودکشی کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کرنے سے پہلے پادری صاحب یا ان کے عملہ کو پیشگی اطلاع دے گا۔

مشاہدات اور اعداد وشمار اس امر کا ثبوت ہیں کہ مسلمان اگر اپنے دین پر عمل کر رہے ہوں اور ان کے دل میں ایمان موجود ہو تو وہ خودکشی نہیں کرتے۔ اس کا آسان مطلب یہ ہے کہ خودکشی کو روکنے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ اسلام کو دل سے قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

جب کوئی شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ مایوسی اس پر حملہ آور ہوتی ہے اور وہ آئندہ سے ناامید ہو جاتا ہے تو اس کا عام حل یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ختم کر کے مصیبتوں سے نکل جائے۔ خودکشی کرنے والا اس لیے مایوس ہوتا ہے کہ اس کی تمام کوششیں اور وسائل اس کی مدد نہیں کر سکتے۔ ایک مسلمان کے لیے اس صورت حال میں امید کا ایک بہت بڑا مرکز خدا کی ذات ہے۔ کیونکہ یہ بات اس کی گھٹی میں پڑی ہے کہ خدا کے وسائل لامحدود ہیں۔ جب وہ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ اس الجھن کو حل کرنے پر بھی قادر ہے اس لیے مایوسی کا شکار اگر مسلمان ہو تو وہ ناکامیوں کے اندھیروں میں خدا کو مدد کے لیے پکارے گا۔ چونکہ خدا کی شفقت بے پایاں۔ وسائل لامحدود مصیبت میں کام آنا اس کی صفت۔ شاہ رگ سے قریب ہونا اس کی شان ہر پکارنے والے کی سننا اس کی عادت ہے۔ وہ وعدہ کرتا ہے کہ جو مصیبت

میں اس پر خلوص دل اور پورے یقین سے بھروسہ کرے گا وہ یقیناً اس کی امداد کرتا ہے۔ ان حالات میں اسلام پر یقین رکھنے والا کوئی شخص خودکشی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا۔

یہ کیفیت ان لوگوں کی ہے جو صرف مسلمان ہیں اور وہ اپنے مذہب کی جملہ تفصیلات سے پوری طرح آشنا نہیں۔ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دو واقعات بڑی اہمیت رکھتے۔

حضور اکرمؐ غار حرا میں عبادت کر رہے تھے کہ خدا کا فرشتہ ان کی طرف پہلی وحی لے کر آگیا۔ اس نے ان کو پڑھنے کو کہا اور انہوں نے کہا کہ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ اس نے خدا کے حکم سے ان کو پڑھنا سکھا دیا۔ ان کو خدا کا نبی ہونے کی بشارت دی گئی اور لوگوں کو بھلائی کی طرف بلانے پر مامور کیا گیا۔ اس پہلی وحی کے بعد فرشتہ پھر کافی عرصہ نہ آیا۔ انہوں نے لوگوں کو وحی الہٰی کی آمد اور بھلائی کی باتیں بتانی شروع کی تھیں کہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ کچھ عرصہ جب وحی نہ آئی تو حضور بھی اس سلسلہ میں پریشان ہوئے اور لوگوں نے مذاق شروع کر دیتے جس سے ان کو ندامت اور شرمندگی اتنی ہوگئی کہ ان کے جی میں کئی مرتبہ خیال آیا کہ پہاڑ سے کود پڑیں۔ مایوسی اور ندامت کی وجہ سے جب ان کے دل میں برے خیال آنے لگے تو فرشتہ پھر آیا کہ خدا تعالیٰ کا یہ کلام نازل ہوا۔

والضحیٰ ۝ والیل اذا سجیٰ ۝ ما ودعك ربك وما قلیٰ ۝
والاخرۃ خیر لك من الاولیٰ ۝ ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ ۝

(قسم ہے چڑھتے ہوئے دن کی اور رات کی۔ جب وہ ڈھانپ لیوے، تیرے رب نے تجھے ہرگز نہیں چھوڑ دیا اور نہ ہی وہ تجھ سے ناراض ہے۔ تیری پچھلی حالت پہلی سے بہتر ہوگی۔ اور جلد ہی تیرا پروردگار تجھ سے راضی ہوکر آئندہ کے لیے بہت کچھ دے گا۔) (الضحیٰ ۵-۱)

قرآن مجید کی ان آیات سے ان کو اطمینان اور سکون ہوا اور دل میں جو وسوسے تھے جاتے رہے۔ ایک شاندار مستقبل کا وعدہ بھی موجود تھا اور سب نے دیکھا کہ اللہ کا وعدہ

بڑی شان سے پورا ہوا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو دس لاکھ مربع میل کا رقبہ ان کے زیر تسلط تھا۔ ان کی حاضری میں ڈیڑھ لاکھ افراد حجۃ الوداع کے موقعہ پر موجود تھے۔ ان آیات مبارکہ کے ان معجزات کی وجہ سے گھبراہٹ اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے ان کو بار بار پڑھتے ہیں اور سکون پاتے ہیں۔

جب اسلام کا پیغام لوگوں کو سنایا جانے لگا تو اس کو قبول کرنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ کثرت ان لوگوں کی تھی جو اسے سن کر مذاق اڑاتے۔ ماننے والوں کو تنگ کرتے جو اسلام لے آیا اس کی جان پر عذاب آ گیا۔ ان تکالیف کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل برداشتہ ہونا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے محسوس کیا کہ بار بار کی ناکامی ان کو کہیں مایوسی میں مبتلا نہ کر دے۔

ارشاد گرامی ہوا۔

فلعلك باخع نفسك على اثارهم ان لم يؤمنوا بهذا الحديث اسفا۔ انا جعلنا ما على الارض زينة لها لنبلوهم ايهم احسن عملاً۔ (الكهف: ۶، ۷)

(شاید کہ تو ان کی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے غم زدہ ہو کر اپنے کو ہلاک کرنے کی سوچے۔ ہم نے دنیا کو طرح طرح کی چیزوں سے مزین کیا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ جن کے عمل اچھے ہیں۔ ان کا پتہ چلے۔)

اللہ تعالیٰ کی تسلی سے ہر مسلمان کے دل میں اعتماد اور اطمینان پیدا ہوا۔ پھر یہ لوگ دشمن کی طاقت سے بے پرواہ ہو کر مقابلوں پر اترتے رہے اور جہاں بھی گئے فتح نے ان کے قدم چومے۔ وہ لوگ جو بے اطمینانی اور مایوسی کا شکار ہوتے ہیں۔ قرآن مجید ان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

وانفقوا فى سبيل الله ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة واحسنوا، ان الله يحب المحسنين (البقرہ: ۱۹۵)

(اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو

بلکہ دوسروں پر احسان کر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔)

اس نصیحت میں اطمینان اور سکون کے لیے بہت اہم ترکیب موجود ہے۔ بجائے اس کے کہ تم کوئی خطرناک کام یا خودکشی کی کوششوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالو، لوگوں پر احسان کرو۔ جب تم کسی پر احسان کروگے تو وہ تمہارا مشکور ہوگا اور تم کسی بھی تکلیف کے وقت تنہا یا بے یار و مددگار نہ ہوگے۔ اس کے ساتھ اضافی فائدہ یہ کہ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔

یہودیوں کی ریشہ دوانیوں اور بدعہدیوں کے سلسلہ میں خدا نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ نہ تو دوسروں کو قتل کریں گے۔ نہ آپس میں خون بہائیں گے۔ اور نہ ہی اپنے آپ کو خود ہلاک کریں گے۔ وہ ان تمام عہدناموں سے مکر گئے۔

ثم انتم هٰؤلاء تقتلون انفسكم (البقرہ ۸۵)

جب انہوں نے اپنے آپ کو یا اپنی ہی قوم کے لوگوں کو قتل کرنا بند نہ کیا تو خدا نے ان کو واضح کر دیا کہ اب ان کے لیے ایک بڑا ہی سخت عذاب تیار ہے۔ اسی مسئلے کو اور قتل خود کی برائی کو آگے جا کر یوں واضح فرمایا گیا۔

ولا تقتلوا انفسكم، ان الله كان بكم رحيما۔ و من يفعل ذٰلك عدوانا و ظلما فسوف نصليه نارًا، وكان ذلك على الله يسيرًا۔ (النساء: ۳۰، ۲۹)

(اپنی جانوں کو ہلاک نہ کیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے مہربانی کرنے والا اور رحم دل ہے۔ اگر کوئی اس کے باوجود ایسا کرے گا تو وہ ظلم و عدوان کا مرتکب ہے اور اسے جہنم کی آگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ جان کہ ایسا کرنا خدا کے لیے بڑا آسان ہے)

جب اللہ رحم دل اور مہربانی کرنے والا ہر وقت موجود ہے تو پھر اپنی جان کو ہلاک کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ تمہاری مشکلیں حل کرنا اس کی دسترس میں ہے۔

قرآن نے شروع سے ہی خودکشی کی حوصلہ فرسائی کی اور ایسا ارادہ رکھنے والوں کو

مشورہ دیا کہ وہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو چھوڑ کر ایسی غلط بات کرنے کی بجائے اپنی مشکل اس کے سامنے لے آئیں۔ وہ ہر طرح سے مہربان اور رحم دل ہے۔ اس کے برعکس انجیل مقدس میں یہودا کی خودکشی کا واقعہ یوں مذکور ہے۔

میں نے گناہ کیا کہ بے قصور کو قتل کے لیے پکڑوایا۔ انہوں نے کہا ہمیں کیا؟ تو جان۔ اور وہ روپیوں کو مقدس میں پھینک کر چلا گیا اور جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی۔ (متی ب ۱۲۔ ۷۔ ۴)

اس کے ساتھ کسی جگہ مذکور نہیں کہ اپنے آپ کو پھانسی دینا ایک غلط اور ناجائز کام تھا اور اس طرح یہودا نے پہلے ایک بے گناہ کو پکڑوا لیا اور دوسرا جرم خدا کی دی ہوئی اپنی جان کو ہلاک کیا اور اس طرح اس نے دو قتل کیے۔ سیموئیل II میں توریت مقدس میں آیا۔

اپنے شہر کو اپنے گھر گیا اور اپنے گھرانے کا بندوبست کر کے اپنے آپ کو پھانسی دی اور مر گیا۔ (۲۳ : ۱۷)

توریت مقدس میں خودکشی کے متعدد واقعات بیان ہوتے ہیں۔ جن میں شمعون نے قید خانے میں اپنی جان لے لی۔ بادشاہ ساؤل اور ابی ملک کے زخمی ہو کر بجائے برداشت کرنے کے اپنے آپ کو قتل کروا لیا۔ اسی قسم کا ایک واقعہ عہد رسالت میں بھی ہوا۔

حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ روایت کرتے ہیں کہ جنگ حنین میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان بڑے معرکے کی لڑائی ہوئی۔ اصحاب میں سے ایک شخص قزمان نے بڑی بہادری دکھائی اور جہاں کسی کافر کو دیکھا لپک کر تہہ تیغ کر دیا۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی بہادری کی تعریف کی تو فرمایا کہ یہ شخص دوزخی ہے۔

ہم کو یہ بات سمجھ نہ آئی اور ہم میں سے ایک شخص اگلے روز لڑائی میں اس کا مشاہدہ کرنے دن بھر ساتھ رہا۔ آخر کار یہ شخص زخمی ہو گیا اور جلد از جلد موت کا طالب ہوا۔ اس نے اپنی تلوار کو زمین پر کھڑا کر کے اپنی دونوں چھاتیوں کے

کے درمیان اس کی نوک رکھ کر نیچے سے زور دکایا۔ تلوار سینہ کے اندر چلی گئی اور وہ مر گیا۔

مشاہدہ کرنے والا دوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہوئی؟ ہم نے بتایا کہ آپ ایک جنگجو کو جہنمی قرار دے رہے تھے۔ ہم حیران تھے کہ ماجرا کیا ہے۔ آج وہ زخمی ہوا تو زخموں کی تاب نہ لا کر اپنے سینے میں تلوار گھونپ کر خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا کہ بعض آدمی لوگوں کو دکھانے کے لیے جنتیوں کے سے کام کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ دوزخی ہوتے ہیں۔ (مسلم)

اس واقعہ میں قزمان نے جنگ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ بڑی بے جگری سے لڑا مگر زخمی ہونے کے بعد برداشت نہ ہونے کے باعث خود کو ہلاک کر لیا۔ رسول خدا نے تکلیف کے مقابلے میں بھی اپنے کو ہلاک کرنے والے کو جہنمی قرار دیا۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے خود کو ہلاک کرنے والا جہنمی ہے۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت امام حسنؓ سے منقول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سے پہلے لوگوں میں سے ایک کو پھوڑا نکلا۔ جب اس میں تکلیف ہوتی تو اس نے ایک تیر نکالا اور پھوڑے کو چیر دیا۔ اس میں سے خون بہنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ تمہارے پروردگار نے فرمایا۔

"میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا"

آج کل یہ بحث بڑی عام ہے کہ وہ مریض جن کے شفایاب ہونے کا امکان نہیں یا جو ناقابل علاج بیماریوں کی وجہ سے اذیت کا شکار ہیں اگر ان کو ختم کر دیا جائے تو یہ ایک اچھا کام ہے۔ جرمنی میں ایسے شفاخانے قائم تھے جہاں ناقابل علاج مریضوں کو علاج کے نام خوش اسلوبی کے ساتھ اگلے جہاں بھیج دیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کو بھی حرام قرار دیا۔ کیونکہ زندگی دینا یا لینا اللہ کا کام ہے۔

خودکشی کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من قتل نفسہ بحدید، فحدیدہ فی یدہ یتوجا بہا فی بطنہ فی نار جہنم خالدًا مخلدًا فیہا ابدًا ومن شرب سمًا فقتل نفسہ فھو یتحساہ فی نار جہنم خالدًا مخلدًا فیہا ابدًا ومن تردّی من جبل فقتل نفسہ فھو یتردّی فی نار جہنم خالدًا مخلدًا فیہا ابدًا۔ (مسلم)

ابوہریرہؓ کی یہ روایت امام مسلم کو کئی قابل اعتماد ذرائع سے میسر آئی۔ اور محدثین نے اس کو معتبر اور صحیح قرار دیا ہے۔

(جس کسی نے دھار دار ہتھیار سے خود کو قتل کیا وہ دوزخ میں جا کر اپنے پیٹ میں وہ ہتھیار ہمیشہ جھونکتا رہے گا۔ اور یہ ہمیشہ کے لیے ہوگا جس کسی نے زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کیا وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہ کر وہ زہر پیتا رہے گا اور کبھی رہائی نصیب نہ ہوگی۔ جو پہاڑ سے کود کر اپنے آپ کو ہلاک کرے گا وہ دوزخ کی آگ میں اوپر سے نیچے گرتا رہے گا جس سے اسے رہائی نہ ملے گی۔)

جس چیز سے خودکشی کی جائے گی مرنے والے کو حشر کے میدان میں اسی سے عذاب دیا جائے گا۔ خودکشی کرنے والے کے سابقہ اچھے کام منسوخ کر دیے جاتے ہیں۔

حضرت ثابت بن ضحاکؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت رضوان کی تھی اور اس طرح یہ ان برگزیدہ افراد میں شامل ہوئے جن کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا کہ۔

جن لوگوں نے اس درخت تلے تمہارے ہاتھ پر بیعت کی تھی انہوں نے تمہارے ہاتھ پر نہیں بلکہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ کے اوپر تھا۔ اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور تم بھی ان سے راضی رہنا۔ (الفتح)

یہ ثابت بن ضحاکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

..... ومن قتل نفسہ بشیء فی الدنیا عذب بہ یوم القیٰمۃ۔ (مسلم)

(جس نے اپنے آپ کو کسی چیز سے دنیا میں قتل کیا اس کو قیامت والے دن اسی چیز سے عذاب دیا جائے گا۔)

اسلام نے خودکشی کو حرام موت مرنے والے کو ہمیشہ کے لیے جہنم کی سزا بتائی ہے۔ یہ دنیا کا پہلا مذہب ہے جس میں خودکشی کرنے والوں کو مرنے کے بعد بھی سزا کا بتایا گیا بلکہ زندگی کے دوران خودکشی کرنے کے تمام اسباب کو ایک ایک کر کے خارج از امکان قرار دیا گیا۔ لاہور کی آبادی چالیس لاکھ ہے اور اس میں تقریباً ۳۵ افراد ہر سال کامیاب خودکشی کرتے ہیں۔ جب کہ انگلستان کے پانچ صنعتی شہروں میں ایک سروے کے مطابق چار سے پانچ ہزار افراد سالانہ خودکشی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان شہروں میں سے ہر ایک میں اس حرکت سے روکنے اور مایوس الحیات افراد کو حوصلہ دینے کے سینکڑوں ادارے سرگرم عمل ہیں۔

پروفیسر نصیب اعوان خودکشی کی اقسام پر بحث کے دوران اس کی ایک ایسی قسم بھی بیان کرتے ہیں جس میں خود کو ہلاک کرنے والا کسی پروگرام یا سابقہ منصوبہ کے بغیر فوری طور پر مشتعل ہو کر خودکشی کر لیتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ کوئی شخص فوری اشتعال میں کسی منصوبہ کے بغیر قتل کر دیتا ہے۔ اسلام نے اس کی بھی پیش بندی کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری اشتعال میں کیے گئے قتل کو سزا کے نقطہ نظر سے قتل عمد کے برابر قرار دیا ہے۔ ان کی مجلس میں ایک مرتبہ لوگ یہ جاننا چاہتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ناشائستہ حرکات میں مرتکب دیکھ کر فوری اشتعال میں قتل کر دے تو اسلام کا کیا مؤقف ہوگا۔ حضور نے فرمایا کہ اگر کسی نے جرم کیا ہے تو اسے باقاعدہ عدالت میں لایا جائے۔ کسی شخص کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر خود سزا دے۔ ایک صاحب نے جرم کی شدت کو کم کرنے کے لیے فوری غصہ کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی تو حضور نے [illegible] کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے غصہ میں آنا حرام ہے اور تم لوگوں کو غصہ دور کرنے کی ترکیب بتا دی گئی ہے۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کہ خدا ہر قسم کی الجھن کو سلجھانے پر دسترس رکھتا ہے اور وہ پکارنے والے کی سنتا ہے اور پھر یہ فیصلہ کرے کہ اس کے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود کو ہلاک کر دے کیونکہ اس کے مسائل حل ہونے کی حدود سے گزر گئے ہیں تو وہ شخص خدا تعالیٰ کے علیٰ کل شیئٍ قدیر ہونے سے منکر ہے۔ اور اس لحاظ سے وہ خودکشی کرنے سے پہلے کافر ہو گیا۔ اس نے خدا کی قدرت سے انکار کیا۔ اس نے خدا کی دی ہوئی جان کو تلف کیا۔ ان جرائم کی سزا اسے بہر حال ملے گی۔

عالمی ادارہ صحت اور دوسرے رفاہی ادارے ایک عرصہ سے خودکشی کے حادثات کو کم کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ان سب لوگوں کی مشترکہ جدوجہد کے بعد اور خودکشی کے اسباب اور علاج پر سینکڑوں کتابوں اور تحقیقی مقالات کے بعد صورت حال وہیں پر کھڑی ہے جہاں سے چلی تھی اور اس کے مقابلے میں دیکھ لیجیے کہ اسلام نے اس مسئلے کو ہر طرف سے اس وقت لیا جب انسان نفسیات اور عمرانیات سے بھی آشنا نہ تھا۔ مسلمان کے لیے خودکشی کی صرف دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ کرنے سے پہلے کافر ہو جائے یا وہ دماغی مریض ہو۔ ورنہ دنیا کے سب سے بڑے ماہر نفسیات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مسلمان کے لیے خود کو ہلاک کرنے کی ہر وجہ دور کر دی۔ اور اسے باعزت اور باوقار زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھا دیا ہے۔
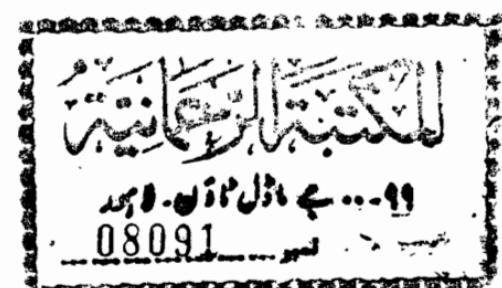
اسلام دینِ فطرت ہے۔ رسولِ خدا کے ہاتھوں دین کی تکمیل ہوئی۔ مذہب زندگی کے ہر شعبہ کا احاطہ کرتا ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس کے بارے میں رسولِ خدا نے کچھ نہ فرمایا ہو۔

نفسیات انسانی کردار کا مطالعہ کرتی ہے۔ رسولِ خدا نے انسانی فطرت، کردار اور سوچ کے بارے میں بڑے واضح اور ٹھوس خیالات کا اظہار کیا ہے۔ رسولِ خدا ایک عظیم ماہرِ نفسیات ہیں۔ لیکن اس طرف توجہ کم دی گئی ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ایک جامع کتاب اِس موضوع "نبی صلی اللہ علیہ وسلم بطور ماہرِ نفسیات" کے شائع ہو رہی ہے۔ یہ ایک اچھوتا، نیا خیال ہے اور مصنف قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اللہ تعالےٰ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

ڈاکٹر سید اظہر علی رضوی
صدر شعبہ نفسیات
گورنمنٹ کالج ○ لاہور